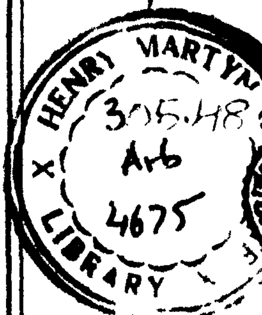
POSITION, RIGHTS AND DUTIES OF WOMEN.

حقوق و فرائض نسواں

مصنّفہ

پادری ڈاکٹر جے۔ایچ۔آر بسن صاحب ایم۔ڈی۔





کرسچن لٹریچر سوسائٹی فار اِنڈیا

نے بہ معرفت

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی۔انار کلی۔لاہور

شائع کیا

بار اوّل (۱۰۰۰) ۱۹۲۸ء قیمت ۵/

5 Annas

حقوق وفرائضِ نسواں

بابِ اوّل

مستورات کا درجہ

فصل اوّل

ایک مشہور انگریزی شاعر کا قول ہے کہ "مرد و زن کا معاملہ واحد معاملہ ہے۔ اور دونوں کی ترقی و تنزل باہم پیوستہ ہیں"۔ اس مضمون کے شروع کرنے سے پیشتر دو سوال کرنا لازم ہے۔
(۱) قدرت نے عورت کو کیا درجہ عطا فرمایا ہے؛ یا یوں کہیں کہ عورت قدرتی طور پر کس درجہ یا مرتبہ کی حقدار ہے؟ (۲) عورت کو پیدا کرنے سے صانع حقیقی کا کیا منشاء و مقصد تھا؟
عام طور پر ہم یوں کہینگے کہ عورت کا اصل و مقدم مقصد اولاد پیدا کرنا اور اُن کی پرورش و تربیت کرنا ہے۔ اور اس امر کے لئے وہ مناسب حال اور مستعد بنائی گئی ہے۔ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اُسے لائق اور موافق شوہر ملے۔ عورت

میں بذاتِ خود چند ضروری صفات کا ہونا بھی لازم ہے اور اُسے اپنے قدرتی منصب پر قائم رہنے کی پوری آزادی ہونی چاہئے +

۱ - قدرت کے مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگلی جانوروں اور پرندوں میں کس قدر جوش و فرطِ مہرِ مادری ہے - اور اکثر اوقات ہم یہ بھی ملاحظہ کرتے ہیں کہ نر و مادہ آپس میں کس قدر میل و محبت سے رہتے ہیں - اور نر ہمیشہ اپنی مادہ کی خاص طور پر حمایت کرتا ہے - آگے چل کر جانوروں کی بہترین اور اعلیٰ اقسام میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ وحدت الازواجی کے پابند ہیں - ہمیشہ ایک نر کا ایک ہی مادہ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے - بعض مرتبہ جب ان میں سے ایک مرجاتا ہے تو دوسرا اُس کے غم میں نہایت لاغر اور نحیف و نزار ہوجاتا ہے +

کہتے ہیں کہ فی الحقیقت حضرت انسان ہی ہے جو اپنی صنفِ نازک سے بدسلوکی کرتا ہے اور اُس کی عزت و حرمت لائق طور سے نہیں کرتا - یہ کس قدر افسوسناک اور شرم کی بات ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات کے لقب سے ملقب ہے اس معاملہ میں ادنیٰ جانوروں سے بھی گرا ہوا ہے - اُسے چاہئے کہ جیسے زندگی کے دیگر معاملات میں وہ اعلیٰ نمونہ دکھاتا ہے ویسے ہی اس میں بھی دکھائے علاوہ بریں چونکہ وہ ذی روح ہے اس لئے اُسے لازم ہے کہ قانونِ جنسیت کو اعلیٰ روحانی اور اخلاقی معیار تک پہنچائے +

۲ - خالقِ مخلوقات نے عورت کو مرد کا ساتھی ہونے کی غرض سے خلق کیا اور یہ خالص محبّت ہی وہ حبل المتین ہے جو مرد کو اپنے ساتھی کے ساتھ بیاہ کے پاک رشتہ کے ذریعہ سے اپنے بچّوں کی ماں کے ساتھ پیوست کرتی ہے۔ انگریزی لفظ جس کا ترجمہ بیاہ کیا گیا ہے اُس کے معنی دو ماں ہا کے ہیں عربی میں یہ لفظ ازواج ہے۔ دُنیا میں شوہر اور بیوی کے رشتہ سے بڑھکر فرحت بخش اور دلکش اور کوئی رشتہ نہیں۔ یہی حقیقی شادی اور شادمانی ہے۔ یہ رشتہ کیا ہی مبارک ہے۔ کیونکہ یہ خدائے تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے۔ درحقیقت جسمانی والدین خداوند کریم کی بیش بہا محبّت اور اُس کے فہم و قدرت کی ایک تصویر اور عکس ہیں۔ کیونکہ وہ ہی ہمارا آسمانی باپ اور ماں ہے +

۳ - عقد و نکاح کا رشتہ خدائے تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے پیدائش کی کتاب کے دوسرے باب میں جو کہ بائیبل شریف کی سب سے پہلی اور دنیا کی سب سے قدیم کتاب ہے یہ عجیب بیان مرقوم ہے۔ کہ یہوواہ نے فرمایا کہ یہ اچھا نہیں ہے کہ آدم اکیلا رہے میں اُسکے لئے ایک ساتھی اُسکی مانند بناؤنگا یعنی ایسی جو اُسکی بیوی ہو اور خداوند نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سوگیا۔ اور اُس نے اُسکی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اُسکے بدلے گوشت بھردیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اُس نے آدم سے نکالی تھی ایک عورت بناکر آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ اب یہ میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے

گوشت ہے اِس سبب سے وہ ناری کہلائیگی۔ کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی (عبرانی اشہیا) اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی جورو سے ملا رہیگا اور وہ ایک تن ہونگے"! اس تشبیہی بیان سے شوہر اور بیوی کے رشتہ کی پیوستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دونوں بلاتفریق ہیں اور انسانی تجربہ سے بھی اس اصول کی حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔ دُنیا کی ابتدا میں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت کا خلق کیا جانا اور باغ عدن میں اکٹھا رکھا جانا وحدت الازدواجی کی ایک اعلےٰ دلیل ہے اور اس سے صاف عیاں ہے کہ خالق مخلوقات کا یہی ملنشاء تھا۔ کثرت الازدواجی اور طلاق کی اُس وقت ہرگز اجازت نہ تھی۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کی تعلیم بھی اس کے متعلق بالکل صاف اور صریح ہے۔ اُس نے فریسیوں سے فرمایا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انہیں بنایا اُس نے ابتدا ہی سے اُنہیں مرد اور عورت بناکر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جُدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہیگا اور وہ دونوں ایک جسم ہونگے؟ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اُسے آدمی جُدا نہ کرے۔ فریسیوں نے اُس سے کہا پھر موسےٰ نے کیوں حکم دیا کہ طلاق نامہ دے کر اُسے چھوڑ دے؟ اُس نے جواب دیا کہ موسےٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب تمہیں اپنی بیویوں کے چھوڑ دینے کی اجازت دی مگر ابتدا میں ایسا نہ تھا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی

کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے" متی ۱۹: ۳-۹۔ کیسا افسوس ہے کہ خداوند یسوع مسیح کے اس فرمان اور ہدایت کی وہ ممالک بھی جو اُس کے مبارک نام سے نامزد ہیں اطاعت و قدر نہیں کرتے۔ اگر مسیحی اپنے خداوند کے احکام کی تعمیل کامل طور پر کریں تو اس دُنیا کی کایا پلٹ جائے۔ چاہئے کہ مسیحی اس دُنیا میں نور اور نمک کی مانند ہوں +

۴۔ پاک پروردگار کا ارادہ یہ تھا کہ مرد عورت کو سب سے زیادہ عزیز رکھے اور وہ اُس کی ہمدم و محرم راز ہو۔ اُس کی سچی وفادار رفیق ہو۔ بائیبل شریف دُنیا کے تمام مذاہب کی کتابوں سے بڑھ کر عورت کی عزت و تعظیم کرتی ہے۔ اُس میں عورت کو مرد کا مساوی درجہ دیا گیا ہے۔ کتاب مقدس عورتوں کے حقوق اور مرتبہ کی بحیثیت شرکائے جماعت کوئی حد بندی نہیں کرتی۔ صرف پولوس رسول تھسلنیکیوں کے خط میں عورتوں کے نماز کے وقت سر ڈھکنے اور مجمع میں تقریر کرنے کے متعلق اپنی رائے پیش کرتا ہے۔ اور وہ اس وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں یونان اور روم میں یہ رواج نہ تھا بلکہ برعکس اس کے ایسا کرنے والی عورتوں کو فاحشہ کہا جاتا تھا۔ وہ عورتوں کو بدچلنی اور بداخلاقی کے متعلق نصیحت کرتا ہے لیکن اُن کی آزادی کی ہرگز مزاحمت نہیں کرتا +

۵۔ صانعِ حقیقی کی نظر میں مرد و عورت دونوں کی قدر و قیمت یکساں ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک نکتۂ نظر سے تو عورت مرد کی محتاج ہے۔ لیکن دوسرے نقطۂ نظر سے دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ وہ دونوں ایک کُل کے مساوی جز ہیں۔ وہ دونوں مثل نصف کرۂ ارض یا پرندوں کے دو بازوؤں یا گاڑی کے دو پہیوں یا جسم کے دائیں و بائیں ہاتھ کی طرح ہیں۔ الٰہی انتظام کے مطابق دونوں ایک دوسرے کے متمم یا ایک دوسرے کو تکمیل تک پہنچانے والے ہیں۔ اگر مرد میں بعض صفات کی کسر ہے تو اُسی طرح عورت میں بھی چند اوصاف کی کمی ہے۔ لیکن دونوں باہم مِل کر ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے ہیں۔ اس لئے اِن دونوں میں بیاہ کے پاک رشتہ کے ذریعے ایک کامل جسمانی۔ روحانی اور دماغی یگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا رتبہ صاحب خانہ اور بیوی کا مرتبہ منتظم خانہ کا ہوتا ہے۔ شوہر کو البتہ گھر کا سر و سردار ہونا لازم ہے کیونکہ ایک گھر کے دو سر نہیں ہو سکتے۔ لیکن سر اور بدن ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور سر کو بدن کی خاص محافظت کرنا فرض ہے۔ جب یہ دونوں فریق یعنی شوہر و بیوی مِل کر گھر کا انتظام کرتے ہیں تو خانگی کار و بار تسلی دِہ ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ سچّی خاندانی خوشی اور کامیابی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ گویا گھر کی گاڑی جب اس عمدہ گھوڑوں کی جوڑی سے کھینچی جاتی تو وہ سہولیت و آرام کے ساتھ

زمانہ کی دوڑ میں دوڑتی ہے۔ اور کامیابی سے منزل مقصود پر
پہنچ جاتی ہے +

فصل دوم

شوہر اور بیوی کی محبّت پاکیزہ محبّت ہے جو کہ الٰہی شریعت کے مطابق مقرر کی گئی ہے۔ دُنیا کی ابتدا سے ہر زمانہ اور ہر قوم کے لوگ بیاہ کے رشتہ کو پاک قرار دیتے رہے اور اُس کے حقوق کی محافظت کرنا اپنا فرض مقدم تصور کرتے رہے ہیں۔ اس معاملہ کو زندگی کے تمام معاملات پر فضیلت حاصل ہے۔ ہندو مذہب کی رُو سے یہ ایک دھرم ریت ہے اور مہابھارت اور رامائن میں ہم اس پاک رشتہ کے نہایت عمدہ نمونے پاتے ہیں۔ مسیحیوں کے درمیان بھی شوہر اور بیوی کی محبّت و اخلاص کو مبارک قرار دیا گیا ہے اور بیاہ کی رسم ایک پاکیزہ اور سنجیدہ عہد و پیمان ہے۔ درحقیقت قدرت بھی یہی سکھاتی ہے کہ جنسِ منسوب کا جذبہ و کشش جو کہ نر و مادہ خصوصًا مرد اور عورت کے درمیان ہے ذاتی اور طبعی ہو۔

۲۔ بیاہ کے متعلق مفصلہ ذیل باتوں کا لحاظ کرنا لازم ہے۔

(ا) بیاہ کا بنیادی اصول اعلیٰ اور پاک محبت ہے بیاہ انتسابِ

دولت اور عزت یا نفس پرستی پر منتج نہیں ہونا چاہئے بلکہ شوہر و بیوی کی محبت عاشقانہ محبت ہونی چاہئے +

(ب) اعلیٰ قسم کی محبت صرف **دو اشخاص** کے درمیان ممکن ہے +

(ج) اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قدرت اور عقل وحدت الازواجی کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ اور تجربہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے +

(د) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کثرت الازواجی منشائے قدرت کے خلاف ہے لہٰذا اس سے رنج اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اور امن وچین کافور ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے مستورات کے مرتبہ اور عزت کا معیار گر جاتا ہے۔ علاوہ بریں جہاں کہیں کثرت الازواجی کی اجازت ہے وہاں اولاد کے حقوق کی محافظت جاتی رہتی اور عائلی زندگی کو سخت گزند و زیان پہنچتا ہے۔ ہمیں ہر وقت یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ بالغوں کی مانند بچے بھی چند حقوق رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ خاندانی زندگی ہی قومی زندگی کی بنیاد ہے۔ لہٰذا ایک کا نقصان دوسرے کا نقصان ہے۔ ملک کی سلامتی اور برقراری خاندانی حالات پر منحصر ہے +

(ہ) یہ امر واقعی ہے کہ جتنے لڑکے اور لڑکیاں دنیا میں پیدا ہوتے

ہیں اُن کی تعداد برابر ہوتی ہے۔ انسانی نسل میں مرد وعورت کے شمار میں ترقی مساوی طور پر ہوتی ہے اور اس امر سے بھی وحدت الازواجی کی تصدیق ہوتی ہے۔ لہذا لڑکے اور لڑکیوں کو اخلاقی۔ جسمانی اور روحانی تعلیم و تربیت کے لئے ایک جیسے موقعے دینے چاہئیں اور دونوں کے ساتھ ہر ایک معاملہ میں یکساں سلوک ہونا چاہئیے ⁕

(۵) چاہئیے کہ بیاہ محض جسمانی رفاقت نہیں بلکہ روحانی اور حقیقی موافقت اور مطابقت ہو۔ اور کہ اس کا اصل اور افضل مقصد ایک نئی پُشت کو پیدا اور تیار کرنا ہو اور اسکے متعلق ہمیشہ یہ امید اور آرزو رکھنی چاہئیے کہ آئندہ پُشت پچھلی اور موجودہ پُشت سے بہترین ہو ⁕

اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات اولاد پیدا کرنا ظلم ہی نہیں بلکہ جرم کرنا ہے۔ لہذا وہ جو جسمانی یا عقلی طور پر تندرست اور مضبوط اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں چاہئیے کہ اُنہیں ایسا کرنے سے روکا جائے۔ کیونکہ یہ درست اور قرین عقل نہیں ⁕



فصلِ سوم

۱۔ ابتدا ہی سے خالقِ مخلوقات کا یہ منشا تھا کہ عورت کی محافظت اور حمایت و عزت خاص طور سے کی جائے لیکن جائے افسوس ہے کہ اکثر اوقات اُس کی تحقیر کی جاتی ہے۔ گویا وہ مرد سے کم درجہ رکھتی ہے۔ جوانی کے عالم میں وہ عمدہ اور قیمتی لباس اور زیور سے آراستہ کی جاتی تاکہ مرد کا دل بہلاؤ ہو لیکن جُوں جُوں وہ عمر میں ترقی کرتی جاتی اُسے گھر کی خادمہ تصوّر کیا جاتا ہے بعض مرتبہ محض گھر کے معمولی اسباب کی مانند گھر میں پڑی رہتی ہے۔ اکثر اوقات غلاموں کی مانند اُس کی خرید و فروخت ہوتی اور اکثر مردوں سے زیادہ محنت اور مشقت بلکہ ادنیٰ کام بھی اُسی سے لیا جاتا ہے۔ جس حال کہ مرد اونٹ گھوڑے کی سواری کرتا ہے عورت پیادہ پا چلائی جاتی ہے۔ جن ممالک میں پردہ کا رواج ہے وہاں عورت مثل ایک پرندے کے پنجرہ میں بند کی جاتی۔ یا حرم سرا کی چار دیواری کے اندر مقید رکھی جاتی ہے۔ اُس کی زندگی گوشہ نشینی کی زندگی بنا دی گئی ہے۔ مرد نے اپنی خود غرضی اور غرور کے باعث اپنے تئیں مالک و خداوند اور عورت کو اپنا ماتحت اور مطیع بنا رکھا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودی اپنی

مستورات کو کسی قدر عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اُن کو ایک حد تک آزادی اور چند حقوق بھی حاصل تھے۔ گو بیوی اپنے شوہر کے ماتحت تھی اور ہمیشہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی تھی۔ مقدس پطرس رسول اپنے پہلے خط کے تیسرے باب میں فرماتا ہے کہ مرد کو چاہئے کہ اپنی بیوی کی عزت کرے۔ کیونکہ وہ ظرف نازک ہے۔ لیکن برعکس اس کے چونکہ عورت ہمیشہ ظرف نازک ہی تصور کی گئی ہے اس لئے اُسے کبھی پوری عزت اور احترام جو اُس کا قدرتی حق ہے نصیب نہ ہوا۔ بلکہ ہمیشہ مرد کے زیر حکم اور تابع فرمان ہی رہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مرد کی خدمت گذاری اور اُس کی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنا ہی ہمیشہ اس کا حصہ و بخرہ رہا ہے۔ آہ مرد نے عورت کے برخلاف کس قدر بھاری گناہ کئے ہیں اور کس درجہ تک اس کو نقصان پہنچایا ہے نتیجہ اس کا یہ ہوا ہے کہ عورت کی ذاتی خوبیوں اور خصلتوں کو ترقی کرنے اور نشوونما پانے کی پوری آزادی نہیں ملی ٭

۲۔ ہمارے خداوند نے اپنی تعلیم اور اپنے نمونے کے ذریعے سے مستورات کے حالات اور اندازہ میں بڑی بھاری تبدیلی پیدا کر دی اور اُس نے صاف دکھا دیا کہ وہ اُنہیں کس قدر لائق اور قابل قدر خیال کرتا تھا۔ اُس نے یہ بھی سکھایا کہ اُن کی عزت اور تعظیم انتہائی درجہ تک ہونی چاہئے گو اُن میں سے بعض وقتاً فوقتاً آزمائش میں گر بھی

جائیں تو بھی انہیں بہ نظر استحقار نہ دیکھنا چاہئے۔ اُس کی تعلیم ہے کہ عورتوں کو آزادی۔ انصاف اور مردوں کے برابر حقوق حاصل ہوں لیکن مسیحی ممالک میں بھی ابھی تک عورتوں کے متعلق وہی پرانے خیال مروج ہیں اور فی زمانہ اکثر یہی سنا جاتا ہے کہ عورتیں جسمانی اور عقلی طور پر مردوں سے کمتر ہیں اور وہ بجائے عقل و فہم کے اپنے جذبات کی زیادہ پیروی کرتی ہیں۔ اُن کی طبیعت دنیا کے ادنیٰ معاملات کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے۔ اُن میں نہ تو اعلیٰ اور افضل معاملات کے سمجھنے کی طاقت ہی ہے اور نہ اُن کے متعلق اُن کا تصور وسیع اور فراخ ہے۔ عورتوں کی بابت یہ عام خیال ہے کہ وہ مردوں کے مقابلہ میں کم عقل اور کم فہم ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ خیال یہانتک بڑھا ہوا ہے کہ عورتیں اخلاقی طور پر بھی مردوں کی نسبت کمزور ہیں۔ یہ غلط فہمی ہمیشہ عورتوں کی ترقی میں سد راہ رہی ہے +

بعض راسخ الاعتقاد ہندوؤں کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ اُن کے نزدیک دو باتیں ہیں جن کے وہ معتقد ہیں یعنی (۱) گئو ماتا کی عزت و تکریم اور (۲) مستورات کی تحقیر و تذلیل۔ لیکن مقام شکر ہے کہ اب اُن کے زاویہ نگاہ میں کسی قدر تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ تو بھی ہندوؤں میں یہ ضرور ہے کہ شوہر اپنے آپ کو مالک اور بیوی کو اپنی خادمہ سمجھتا ہے اور عورتوں کی خوشی اس جہان میں اور آنے والے جہان میں اپنے شوہر کی وفادار رہنے پر منحصر ہے۔ اُسے سُورگ صرف اپنے شوہر کی

پوری اطاعت اور فرمانبرداری کرنے پر اور اگر اُس کا شوہر مر جائے تو اُس کے ساتھ ستی ہو جانے پر ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ گو ستی کا رواج اب منسوخ ہو چکا ہے پھر بھی بے چاری ہندو بیواؤں کی قسمت میں بے عزتی۔ غلامی اور جور و تعدی کا شکار ہونا لکھا ہے نتیجہ اس کا یہ ہوا ہے کہ اِن رسوم کی پیروی کرنے سے ملک ہندوستان کی فلاح اور ترقی کے کام کو بہت ضعف پہنچا ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا اختلافات جو کہ مرد و زن کے درمیان ہزارہا سال سے چلے آتے ہیں الٰہی انتظام کے بموجب نہیں بلکہ خود حضرتِ انسان کے ایجاد کردہ ہیں اور یہ عورت کو مرد کے زیر اطاعت رکھنے کا نتیجہ ہیں۔ ان میں سے اکثر موقوف اور منسوخ کئے جا سکتے ہیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ تمام روئے زمین کے ممالک اس حالت کو تبدیل کر رہے ہیں۔ اور جلد ایک دن آنے والا ہے جب عورت کو وہ مرتبہ اور درجہ جس کی وہ شروع سے حقدار ہے پھر حاصل ہو جائیگا۔ اُس کی لیاقت اور قابلیت کی قدر محسوس کی جا رہی ہے اور اُس کا مناسب حال استعمال بھی کیا جا رہا ہے۔ ہر ایک شخص کو مجبوراً یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ زمانہ سابق سے لیکر تا ہنوز عورتوں کو کامل آزادی اور اُن کا قدرتی حق نہیں دیا گیا۔



فصل چہارم

۱- اس میں کسی کو کلام نہیں کہ مرد و زن میں فرق تو ضرور ہے۔ لیکن یہ محض قدرتی اور ذاتی فرق ہے جس کے باعث مرد و زن باہم مل کر ایک ہوتے ہیں اور صرف اسی فرق کے سبب اُن میں کامل موافقت ممکن ہے۔

(ا) **جسمانی اختلافات** ۔ مرد عورت سے زیادہ قد آور اور طاقتور ہوتا ہے۔ لہذا وہ محنت و مشقّت کے کاروبار کرنے کے زیادہ قابل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کی محافظت کرے اور محنت و مشقّت کا کام اپنے ذمہ لے۔ عورت کا کام مرد کے کام کی نسبت زیادہ مشکل اور نازک ہے اور اُس کا اثر رگوں اور پٹھوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ اگر ذرا عقل اور سمجھ کو استعمال کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ عورت کے ساتھ نہایت بے انصافی کی گئی ہے کہ جس حال کہ اُسکی طاقت کو اُس الٰہی مقصد کے لئے محفوظ رکھا جانا چاہئے تھا کہ جس کے لئے وہ خلق کی گئی تھی اُس کو دُنیا کے سخت اور کٹھن معاملات میں صرف کیا گیا ہے۔

(ب) **ذہنی اور عقلی اختلافات** ۔ اس میں کچھ شک نہیں

کہ عقلی اور دماغی امور میں مردوں نے زیادہ کامیابی حاصل
کی ہے لیکن ممکن ہے کہ اس کا سبب یہ بھی ہو کہ عورتوں کو
کافی موقعے نہیں دیئے گئے کہ اپنی خداداد قابلیتوں کا اظہار
کرسکیں۔ موجودہ زمانے میں عورتوں نے سکولوں اور کالجوں
میں مردوں کے برابر کھڑے ہو کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اُن کی
دماغی اور ذہنی طاقت مردوں سے کسی صورت میں کم نہیں۔
تمام علمی پیشوں میں مثلاً طبابت۔ وکالت اور تعلیمی اور دینی
خدمات میں عورتوں نے اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کر دکھایا
ہے۔ بلکہ یہ بات عموماً مشہور ہے کہ عورتیں اچھی منتظم ہوتی ہیں۔
ہندوستان کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں بہی
خواتین گذری ہیں جنہوں نے ملکی اور علمی امور میں فضیلت حاصل
کی یورپ کی تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی بعض
لیڈیاں اعلیٰ سے اعلیٰ منصبوں پر مامور رہی ہیں۔ مثلاً ملکہ
الزبیتھ اور ملکہ وکٹوریہ۔ ملک امریکہ کی بعض خواتین ریاستوں
کی حکومت کا کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہی ہیں
اس پچھلے جنگِ عظیم میں مردوں کی غیر حاضری میں عورتیں اُن کا کام
بسہولیت کرتی رہیں۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عورتیں
تیز فہم ہوتی ہیں اور اُن میں اِدراک کی تیزی اور ذہانت ذاتی اور
قدرتی طور پر موجود ہے۔ حالانکہ مردوں میں ایجاد کرنے اور بنانے کی

طاقت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے بڑے اور بھاری کام کر دکھائے ہیں +

(ج) **ذاتی اور طبعی اختلافات**۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک ذاتی فرق ہے جس کے باعث وہ اُن کاموں کے انجام دینے کے لئے جن کے لئے پاک پروردگار نے اُنہیں بنایا ہے زیادہ لائق ہیں۔ مرد امور عامہ اور قومی فرائض کے سرانجام دینے ملکی معاملات میں رہنمائی کرنے اور زندگی کے خطرناک کاموں میں حصہ لینے کے زیادہ قابل ہیں۔ عورت خاندانی کاروبار اور مرد کو تحریک دینے والی اُسکی سچی ہمدرد اور اُس کے گھر کی منتظمہ ہونے کے لائق ہے۔ بیوی اپنے شوہر کی نیک صلاح کار ہو سکتی ہے اور اُس کی ہمت افزائی کر سکتی ہے۔ دُنیا کے بہت سے مشہور و معروف آدمیوں نے یہ کہا ہے کہ اُن کی کامیابی کا باعث ایک حد تک اُن کی بیویاں تھیں۔ عام خیال کے مطابق مرد دماغی طور پر اور عورتیں احساساتِ قلبی میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مرد زیادہ زور آور ہے اُس کی بناوٹ اور ترکیب بھی ویسی ہی واقع ہوئی ہے۔ اور عورت کی ترکیب زیادہ نازک نفیس اور قیمتی ہے +

(د) روحانی اور اخلاقی معاملات میں عورت مرد سے بہتر ثابت ہوئی ہے۔ حالانکہ دُنیا کے تمام مذاہب کے ہادی مرد ہی

ہوتے ہیں تو بھی تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ متقی۔ دیندار اور ایماندار ہیں۔ اس وجہ سے وہ تمام عزت اور تعظیم کی مستحق ہیں۔ اور چاہیئے کہ اُن کی ان ذاتی اور طبعی خصلتوں کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے پوری کوشش و محنت کی جائے +

۲۔ غرضیکہ جُوں جُوں تہذیب ترقی کر رہی ہے۔ چاہیئے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کی مانند بنیں۔ مرد کو لازم ہے کہ بغیر اپنی مردانگی کو چھوڑے زیادہ مہذب۔ شریف اور نرم مزاج ہو اور ساتھ ہی اس کے روحانی فضیلت کو بھی حاصل کرے۔ نیز عورت کو بھی واجب ہے کہ اپنی ذاتی اور طبعی صفات کو رد کئے بغیر اپنی جسمانی تندرستی اور اپنی ذہنی و دماغی طاقت کو بڑھا کر مرد کے ساتھ اس دنیا کی کشمکش میں ترقی کرنے کے قابل بنے۔ گو بظاہر طبقۂ انسانی میں مرد اور عورت دو ہستیاں ہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ ایک اکائی میں دونوں شامل ہیں۔ ہاں بیاہ کے ذریعہ بیوی اور شوہر کے ایک ہونے کی ازحد ضرورت ہے۔ چاہیئے کہ سال بہ سال اُن کی نیت و غرض میں یگانگت۔ عادات میں یگانگت۔ ذوق و شوق میں یگانگت اور روحانیت اور اخلاق میں یگانگت پیدا ہو +

۳۔ یہاں یہ سوال پیشِ نظر نہیں کہ آیا دونوں میں سے ایک کو دوسرے کی خاطر کیا کچھ چھوڑ دینا چاہیئے۔ بلکہ یہ کہ کس درجہ تک

دونوں میں باہمی یگانگت ہو اور کہ دونوں کا ایک دوسرے پر کتنا نیک اثر ہو تاکہ دونوں میں کامل موافقت ہو سکے۔ بیاہ کی پاکیزہ اور پُر مسرت حالت کا راز یہ ہے کہ آپس میں کامل موافقت اور مطابقت ہو۔ رضامندی میل ملاپ۔ کامل اعتماد اور اعتبار ایک دوسرے کے قلوب پر مسلط ہوں۔ ہر ایک اپنے اپنے دعوے سے بوقت ضرورت دست برداری پر آمادہ اور تیار رہو اور ہمیشہ ایک دوسرے کی قدر و منزلت کرتا ہو +

باب دوم

بیاہ کی حالت

فصل اوّل

۱۔ بیاہ کا رشتہ ایک پاکیزہ اور مبارک حالت ہے۔ اگر دو اشخاص کی شادی حقیقی شادی ہو تو اُن کی خوشیاں دو بالا ہو جائیں اور رنج و فکر آدھے رہ جاتے ہیں۔ لیکن برعکس اس کے اگر میاں و بیوی میں آپس میں پیار و محبت نہ ہو تو وہ رشتہ جس کو خداوند کریم نے عزت کی ایک سنہری زنجیر بنایا تھا۔ ایک آہنی کڑی بن جاتی ہے۔ دُنیا کی تمام اقوام نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں بیاہ کا معاملہ نہایت اہم معاملہ ہے۔ لہذا آپس میں حقیقی خوشی اور مسترت ہونی چاہیئے تاکہ تمام زندگی لطف و اطمینان سے بسر ہو اس وجہ سے لازم ہے کہ چند ایک اصولوں کو بغور دیکھا جائے تاکہ اُن سے خوب واقفیت ہو۔ یہ ایک عام خیال ہے کہ بیاہ کرنا

قسمت آزمائی کرنا ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ یہ ایسا ہو۔ مسیحیوں کے درمیان ایک مثل مشہور ہے کہ" بیاہ شادیوں کا رشتہ آسمان پر باندھا جاتا ہے"۔ یعنی اس امر میں ہمیں اپنے خداوند کی ہدایت اور مرضی پر تکیہ کرنا چاہئے۔ ایک اہل سخن نے اسے یوں بھی ادا کیا ہے ؎

غور سے فکر سے تدبیر سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

لیکن ساتھ ہی اس کے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں +

عام طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہی دو اشخاص آپس میں بیاہ کرنے کے قابل ہوتے ہیں جو کہ ایک دوسرے کی کمی اور کسر کو باہم مل کر پورا کرتے ہوں۔ اگر وہ جسمانی اوصاف وعادات اور مزاج وطبیعت میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو بہتر ہے۔ مثلاً سرگرم جوشیلی طبیعت والے کا بیاہ سُست اور نرم مزاج والے کے ساتھ۔ آتش مزاج کا سرد مزاج والے کے ساتھ۔ نازک اور ڈرپوک طبع کا ساکن اور مستقل طبیعت والے کے ساتھ ہونا چاہئے۔ لیکن اخلاقی اور ذہنی معاملات میں دونوں کی موافقت ومطابقت ہونی لازم ہے۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ دونوں بالکل یکساں ہوں۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ میاں بیوی اپنے قیاس اور تصور میں ہمیشہ متفق ہوں تو بھی یہ لازم ہے کہ دونوں کے ذوق۔ شوق۔ رغبتیں۔ ارادے

اور بالخصوص مذہبی خیالات ایک سے ہوں۔ معاشرتی معاملات میں اختلاف رائے رکھنا چنداں مستحسن نہ ہوگا۔

۲۔ میاں اور بیوی کو چاہئے کہ ایک دوسرے کی عزت اور توقیر کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں یہانتک کہ اگر ضرورت ہو تو ایک دوسرے کے لئے جان تک بھی دینے سے دریغ نہ کریں۔ چاہئے کہ بیاہ سے پیشتر جو عاشقانہ محبت اُن میں پائی جاتی تھی وہی تمام عمر برقرار رہے۔ کیونکہ سچی اور حقیقی محبت پر امتدادِ زمانہ کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ مسیحی نکاح کی رسم ادائیگی کے موقع پر شوہر اور بیوی دونوں خدا کے سامنے یہ قول و قرار کرتے ہیں کہ "وہ دونوں ایک دوسرے سے ہمیشہ محبت رکھینگے اور خواہ دُکھ ہو یا سُکھ۔ تنگی ہو یا مصیبت ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرینگے اور جب تک موت اُنہیں جُدا نہ کریگی ہمیشہ ایک دوسرے سے ملے رہینگے"۔ لہذا اُنہیں واجب ہے کہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ شائستگی۔ تہذیب اور خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ کیونکہ بے تکلفی سے باہمی رفاقت میں فرق آجاتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کی غلطیوں اور چھوٹے چھوٹے قصوروں سے درگذر کرنا چاہئے اور اس کے لئے کمال صبر اور بردباری کی ضرورت ہے۔ یہ بات ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہئے کہ نہ تو میاں ہی مبترا عن الخطا ہوتا ہے۔ اور نہ ہی بیوی فرشتہ سیرت ہوتی ہے۔ مرد کے لئے واجب اور مناسب ہے کہ وہ رحم دل

سلیم الطبع اور وفا شعار ہوتا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ سختی اور تلخی کا برتاؤ نہ کرے۔ بلکہ برعکس اس کے اُس کی محافظت اور خبرگیری کیا کرے۔ کیونکہ عورت کا دردِ زہ ایک ایسا درد ہے جو کہ مرد کو عورت کا قرضدار بنا ڈالتا ہے۔ بعض پرانے فیلسوفوں کی تعلیم یہ تھی کہ کامل محبت کے لئے تثلیث کی ضرورت ہے یعنی پہلے دو کی ضرورت ہے جو کہ خالص محبت کے مضبوط رشتہ سے خوب جکڑے ہوئے ہوں اور پھر تیسرے کی جو کہ ان دونوں کی خالص محبت کو جو کہ ایک دوسرے کے لئے ہے کامل طور سے ظاہر کر دے۔ اس طریق سے والدین کی باہمی محبت کا اظہار اس تیسرے میں ہوتا ہے جو کہ اُنکی یگانگت کا نتیجہ یا ثمر ہوتا ہے۔ لہذا اس بیاہ کے رشتہ میں جو کہ درجہ کمال تک پہنچ گیا ہو۔ ماں۔ باپ اور بچّے کے رشتہ میں ہم تثلیث کے ایک عجیب و غریب نمونہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ بیاہ کی ہر ایک حالت میں ایک نئے خاندان کا آغاز اور اُس کی قسمت کا دارومدار ہے۔ اور اس وجہ سے لازم ہے کہ شوہر اور بیوی اسپر خوب غور اور توجہ کریں۔ اور اس کو دُعا کا ایک خاص مضمون بنائیں۔ مغربی ممالک میں ایک بڑا بھاری نقص ہے اور وہ یہ کہ بہت سی شادیاں بلا غور اور فکر کئے اور بے سوچے سمجھے کی جاتی ہیں۔ جن کا نتیجہ طلاق ناموں میں ظاہر ہوتا ہے کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ جانوروں کی نسل بڑھانے کے لئے تو اس قدر

فکر اور تردد کیا جاتا ہے اور انسانی جنس کی ترقی کے موقع پر اس کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا - یہ عین واجب و لازم ہے کہ انسان کی اصلاح نسل کے متعلق خاص اصول مرتب کئے جائیں اور رہا بجا اُن کی شہرت کی جائے اور اُن کے سکھائے جانے کا خاص انتظام ہو۔ ہمیں اپنی ہدایت کے لئے مندرجہ ذیل مقولہ کو سنہری الفاظ میں لکھنا چاہئے کہ وہ بیاہ اور شادی کے رشتوں کی خاص محافظت کی جائے۔ اور اس امر میں خاطر جمعی ہو کہ صرف لائق اور موافق اشخاص کا آپس میں بیاہ ہو" کیونکہ نہ صرف ایک جماعت بلکہ تمام قوم کی بہتری اور بہبودی اس پر منحصر ہے +

۲ - وراثت کا سوال ایک نہایت ہی اہم سوال ہے - اگر نئے شادی شدہ اشخاص سے یہ سوال پوچھا جائے تو وہ اکثر اس کے معنی سے نا آشنا ہوتے ہیں - بیاہ اکثر اشخاص کے نزدیک ایک معمّا ہوتا ہے - لیکن تو بھی یہ بات ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بیاہ کے رشتہ کے ذریعہ سے صرف میاں بیوی ہی ایک ایک دوسرے کے حصّہ دار نہیں ہوتے بلکہ اُن کی اولاد بھی اُنکی حصہ دار ہوتی ہے - دونوں اس ذمّہ داری کو اٹھاتے ہیں - لہذا کمزور اور روگی اولاد پیدا کرنا اخلاقی جُرم ہے - ایسے قوانین بنانا چاہئیں جس سے بیمار اور دائم المریض اشخاص کو بیاہ کرنیکی ممانعت ہو کیونکہ اُن کی بیماریاں اُن کی اولاد کو وراثت میں ملتی ہیں - اختیار نہ تولید کا

مضمون مشکل تو ضرور ہے لیکن تاہم غور طلب ہے +

فصل دوم

ملکِ ہندوستان میں چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا رواج نہایت نقصان دِہ ہے۔ اور اکثر اوقات مہلک اور آفت خیز ثابت ہوا ہے۔ یہ بات انتہا درجہ ترسناک ہے کہ کتنی جانیں ہر سال اس رواج کے سبب برباد ہوتی ہیں۔ پھر یہ بھی نہایت افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ کتنی نوعمر لڑکیاں بچپن سے ہی ماں ہونے کے لئے منتخب کی جاتی ہیں اور اس وجہ سے وہ اپنے بچپن کے زمانہ کا لطف اُٹھانے سے محروم رہتی ہیں۔ حالانکہ دیگر ممالک میں انکی ہم عمر لڑکیاں اپنا وقت اپنی ہمجولیوں کے ساتھ تفریح اور علم کی تحصیل میں صرف کرتی ہیں۔ ہائے صد افسوس کس قدر بھاری ذمّہ داریاں ایک نوعمر لڑکی کے کاندھوں پر رکھی جاتی ہیں جبکہ ہنوز وہ اس بار کے اُٹھانے کے قابل نہیں ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی صحت و تندرستی میں فرق آجاتا ہے اور اس کی ذہنی اور عقلی طاقت ترقی کرنے سے رُک جاتی ہے۔ اس کی زندگی خوف و فکر سے پُر رہتی ہے۔ اِس کا اثر اُس کے بچے پر کیا ہوتا ہے؟ کمزور

اور کم حوصلہ مائیں صرف کمزور اور کم ہمت بچے ہی پیدا کر سکتی ہے۔ علاوہ بریں ہندوؤں کے رسم و رواج کے مطابق بیواؤں کی شادی کی ممانعت کے باعث اُن پر نہایت ظلم اور بے انصافی ہوتی ہے خاصکر جب وہ بیوائیں ہنوز کم عمر لڑکیاں یا بعض اوقات خود بچیاں ہی ہوتی ہیں۔ کیا بچوں کی شادی جو کہ ابھی سن بلوغ تک نہ پہنچے ہوں دراصل شادی کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟ اہل اسلام کے درمیان کثرت الازدواجی اور طلاق کی رسوم ضرر رساں ہیں خاصکر عورتوں کے لئے جس کے نتیجے بہت ہی خراب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ نزدیکی رشتہ داروں کا آپس میں بیاہ کرنا علم حیات کے برخلاف ہے۔ جب ایک کم عمر لڑکی کی شادی ایک عمر رسیدہ مرد کے ساتھ ہوتی ہے تو ہم اُن سب بے رحمیوں اور اُس ظلم کا جو اُسے برداشت کرنے پڑتے ہیں کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں +

۲۔ موجودہ زمانہ میں مسیحیوں کے درمیان ایک اور خطرہ نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مسیحی لڑکیاں بیاہ کے رشتہ اور خاندانی زندگی کے متعلق غلط فہمیوں کا شکار ہو رہی ہیں۔ اُن کو اپنی آزادی کا بہت خیال ہوتا ہے اور وہ اپنے شوہروں سے بہت زیادہ مطالبات کرتی ہیں۔ اکثر اوقات وہ یہ کہتی ہیں کہ کونسی عورت ایک مرد کے ساتھ جس کو صرف اسی یا سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہو بیاہ کر سکتی ہے؟ وہ چاہتی ہیں کہ اُن کے لئے کوئی شہزادہ یا گلفام ہی آئے

تو وہ اُس سے بیاہ کریں۔ اُنہیں ظاہرداری کا زیادہ خیال ہوتا ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ وہ اس قسم کے خیالات کو ترک کریں۔ اور اس سنجیدہ معاملہ پر زیادہ غور کریں۔ یہ کیا ہی فضول بات ہے کہ چونکہ ایک شخص کی شکل و شباہت یا اُس کا لباس عین اُن کے معیار یا فیشن کے مطابق نہیں یا اس کی تنخواہ کم ہے تو وہ اُس کے ساتھ نسبت نہیں کر سکتیں۔ جوان لڑکیاں اکثر ناتجربہ کار ہوتیں اور اس لئے اُنہیں اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ حقیقی خوشی صرف روپے پر ہی منحصر نہیں بلکہ بسا اوقات روپیہ کی کمی ہی سچی خوشی اور اطمینان کا باعث ثابت ہوتی ہے کیونکہ میاں کا اعلیٰ چال چلن اور لیاقت و قابلیت اُسکے روپے کی نسبت زیادہ کارآمد و مفید ہیں۔ بعض نوجوان لڑکیاں بیاہ کے جوئے کے نیچے زیر بار ہونے کی نسبت آزادی کی زندگی بسر کرنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ زندگی صرف کرنیکا یہ تصور خودغرضی پر مبنی ہے اور اس سے دنیاداری کی بُو آتی ہے۔ وہ مغربی ممالک کے فیشن و اطوار کی تقلید کرتی ہیں اور یہ اُنکی بھاری غلطی ہے۔ کیا ایسا کرنے سے اُن کو خود غرضانہ تنہا زندگی بسر کرنا اور عالم پیری میں تنہا رہنا مقصود ہے؟ اُن لڑکیوں کو جو بیاہ نہیں کرتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اُن کی زندگی نا تمام اور غیر تسلی بخش زندگی رہتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض حالتوں میں بیاہ کرنا ممکن نہیں لیکن تو بھی عام طور پر بیاہ کرنا بلاشک و شبہ ہر ایک عورت کے لئے نہایت خوشی کی حالت ہوتی ہے۔ کیونکہ بیوی بننے اور ماں ہونے کے باعث

اُس کے قدرتی خصائل اور اوصاف ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس سے اسکو اس دُنیا میں جتنی خاطر جمعی اور تسکین ملنی ممکن ہے مِل جاتی ہے یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ مغربی ممالک میں عورتوں نے مردوں کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ اور اس وجہ سے شادی کرنے سے انکار کرتی اور ہر ایک بات میں مردوں کی مانند بننے کی جان توڑ کوشش کرتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عورت جو بیاہ کر لیتی اور اپنے گھر میں ملکہ بن کر حکومت کرتی ہے تمام عورتوں سے بڑھکر خوش نصیب اور اقبالمند ہے۔ ممکن ہے کہ مرد ایک محل تعمیر کرے لیکن گھر بنانا صرف عورت ہی کا کام ہے ٭

باب سوم

مستورات کے حقوق

اگر اس بات میں کچھ حقیقت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے عورت کو مرد کی رفیق اور ساتھی۔ اس کی مددگار اور ہم پلہ۔ اس کی وفادار دوست اور نیک صلاح کار یا اس کے گھر کی منتظمہ ہونے کے لئے خلق کیا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چند ایسے حقوق بھی رکھتی ہے جو تسلیم کئے جانے کے قابل ہیں اور جن کا اُسے دیا جانا از بس ضرور ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ مرد کے برابر حقوق کی حقدار ہے اور انصاف اس کا مقتضی ہے۔ اس سے ہرگز یہ منشا نہیں کہ عورت اور مرد کا کام بھی دُنیا میں یکساں ہے۔ نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ اُسے بعینہٖ مرد کا سا مرتبہ اور درجہ عطا ہو یا اُسے مرد کے برابر اختیار دیا جائے کیونکہ وہ مردوں کی مانند ہر ایک کام کو انجام نہیں دے سکتی ہے۔ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ عورت کو زندگی اور زندگی کا لطف حاصل کرنے کے لئے کامل آزادی خداوند کریم کی طرف سے عطا ہوئی ہے تاکہ وہ اپنی قدرتی اور طبعی طاقتوں کو ترقی

دیگر اُن کے ذریعے مقصد الہٰی کو پورا کرے۔ اس میں مردوں کو ضبا یہ کا مطلقاً اندیشہ نہیں بلکہ برعکس اس کے عورتوں کی ترقی کے ساتھ مردوں کی ترقی وابستہ ہے +

۲۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے حقوق ہیں جن کی عورت قدرتی طور پر حقدار ہے ؟

(ا) **تعلیمی حقوق** ۔ لڑکیوں کو مثل لڑکوں کے عمدہ تعلیم دینی چاہیے لیکن یہ ضرور نہیں کہ دونوں کی تعلیم کے مضمون ایک سے ہوں بلکہ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت ایسی ہونی چاہیے جو اُن کو زندگی کے فرایض ادا کرنے کے قابل بنا کر مردوں کی لائق مددگار کر دے تاکہ جہاں کہیں بیاہ کرنا ناممکن ہو وہاں عورتیں دفتروں۔ دُکانوں اور دیگر محکمہ جات میں کام کر کے اپنے آپ کو مردوں کی قابل شریک کار ثابت کر سکیں۔ بعض حالتوں میں لڑکیوں کے لئے کالجوں میں داخل ہو کر ڈگری حاصل کرنا مناسب ہے۔ لیکن عام لڑکیوں کے لئے ایسا کرنا ضروری یا قرین مصلحت نہیں +

(ب) **معاشرتی حقوق** ۔ ایک اعلیٰ اور مہذب جماعت کے لئے ضرور ہے کہ اسکی مستورات کو مردوں کے برابر تمدنی حقوق حاصل ہوں۔ لیکن یہ قابلِ افسوس بات ہے کہ مغربی ممالک کی عورتیں جن کو حد سے زیادہ آزادی دی گئی ہے قدرت کے خلاف زندگی بسر کرتی ہیں۔ تو بھی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورتوں

کو ایک حد تک آزادی دینا مفید ہے۔ خاصکر لڑکے اور لڑکیوں کو آپس میں ملنے جلنے کی اجازت ہونی چاہئیے یہانتک کہ نوجوان عورتوں اور نوجوان مردوں کو بھی اگر ایک حد تک اسکی اجازت ہو تو خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ ہندوستان میں ایسا کرنا ایک مشکل امر ہے۔ لیکن جلسوں وغیرہ میں ایسا کرنے کی امید ہو سکتی ہے۔ جہاں کھیل تماشے اور تفریح طبع کے سامان ہوتے ہیں۔ اگر لڑکے اور لڑکیوں کو ان کے بزرگوں کی زیر نگرانی آپس میں ملنے کا موقع دیا جائے اور لڑکوں کو سکھایا جائے کہ لڑکیوں سے ساتھ شائستگی۔ تہذیب اور شرافت سے پیش آئیں تو آگے بڑھکر نقصان نہ بدعملی کا ہرگز خدشہ نہ رہیگا۔ لڑکے اور لڑکیوں کو بچپن سے یہ تعلیم ملنی چاہئیے کہ وہ بغیر تجسس اور ناپاک خیالات اور بغیر مکاری کے ایک دوسرے کے ساتھ ملیں جلیں۔ ہندوستان میں پردہ کے رواج نے قباحت پیدا کی ہے۔ مستورات کو دنیا کے معاملات سے بے خبر رکھنا اُن کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہوا ہے کیونکہ اس وجہ سے وہ جسمانی اور دماغی طور پر کمزور ہو گئی ہیں۔ زنانہ کی چار دیواری کے اندر قید رہ کر روشنی۔ دھوپ اور تازہ ہوا کے نہ ملنے کے باعث نہ صرف اُنکے جسم بند رہے ہیں بلکہ اُن کے ذہن اور دماغ بھی قید رہ کر جہالت فضول گوئی اور بیہودہ

بکواس کے سبب اخلاقی معیار سے گر گئی ہیں۔ اندر بند رہنے
کی وجہ سے وہ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔
مقام صد حیف ہے کہ کتنی زندگیاں یوں ہلاک ہو جاتی ہیں۔
جیسے خوشنما پھول تازہ ہوا اور دھوپ کے بغیر کمہلا جاتا ہے۔
۲۔ مشرقی عورتیں اس وجہ سے اس طرح قید اور تنہا رکھی جاتی ہیں کہ بیرونی
بد تاثیرات کے باعث اُن کی حرمت اور عصمت پر دھبہ نہ لگے لیکن
تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس قسم کی قیود اور بیرونی اسباب محافظت
عورت کے جذبات خودداری اور خود اعتمادی کو روکتے ہیں اور کیرکٹر
کے نشو و نما میں سدِ راہ ثابت ہوئے ہیں۔ اگر عورتوں اور لڑکیوں کو
تندرست اور مضبوط بنایا جائے اور انہیں اپنے اوپر بھروسہ کرنا
سکھایا جائے تو یہ خطرات جو چاروں طرف سے اُن کا محاصرہ کئے
ہوئے ہیں اُنہیں کچھ ضرر و گزند نہ پہنچا سکینگے۔ لہذا انہیں نہ صرف جسمانی
خوراک اور ورزش ہی کی ضرورت ہے بلکہ دماغی اور عقلی خوراک کی بھی۔ یہ
ثابت ہو چکا ہے کہ جسم جس قدر زیادہ تندرست اور طاقتور ہوتا ہے
اسی قدر وہ بیماری اور تکلیفوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوتا ہے
اور اخلاقی اور روحانی معاملات میں بھی یہی اصول صادق آتا ہے۔ اگر
لڑکیوں کو شروع ہی سے سنجیدگی۔ احتیاط اور دلیری سے اپنی محافظت
کرنا سکھایا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر
قدم رکھتی ہیں تو کوئی اُن کی حرمت اور عصمت کو اُن سے چھین سکے۔

بلکہ اگر عورت کی چال ہمیشہ ایسی رہے تو مرد اُن کی زیادہ عزت کرینگے اور اگر وہ اپنے گھر سے دور و دراز فاصلہ پر ہوں تو بھی ہرگز کسی مرد کو جرأت نہ ہوگی کہ اُن کو دق کرے یا چھیڑے +

۳ - اگر عورت ہمیشہ کمزور اور مرد سے کم رتبہ اور ناقابلِ اعتبار تصور کی جائے - اور اگر وہ جہالت کی حالت ہی میں پڑی رہنے دی جائے یا پردہ نشین رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ تو کبھی اُس کی عقل ہی ترقی کریگی اور نہ ہی دنیوی معاملات میں اُس کے خیالات کبھی وسیع ہونگے اور نہ اُس کی ہمت بڑھیگی - برعکس اس کے اُسے صرف ادنیٰ ناقص اور معمولی باتوں میں دلچسپی ہوگی اور وہ اپنا بیش قیمت وقت سستی اور کاہلی اور فضول کاموں میں ضائع کریگی - مردوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں کی تربیت اور تفریح کا بندوبست کریں +

خاوند کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھائے اور اپنے شخصی کام اور دیگر دنیوی معاملات کے متعلق اُس سے گفتگو کرے اور اُسے شوق دلائے کہ وہ اخباروں اور عمدہ کتابوں کا مطالعہ کیا کرے اُسے چاہیئے کہ وہ اپنی بیوی کے ہمراہ جلسوں لیکچروں اور عبادتوں میں جائے کیونکہ بیوی کا حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خوشیوں میں اُس کی شریک ہو +

(ج) **ملکی حقوق** - اس مضمون پر آجکل بہت بحث و تمحیص ہو رہی ہے ہمارے خیال میں عورتوں کو ملکی حقوق بھی ملنے چاہئیں - لیکن اگر

تمدنی حقوق اُن کو پہلے دیئے جائیں تو بہتر ہوگا کیونکہ ملکی حقوق کی نسبت تمدنی اصلاح زیادہ ضروری ہے۔ قوم کی مستقل اور پختہ ترقی کی بنیاد سوشل ترقی پر ہونی چاہئیے۔ مغربی ممالک میں عورتوں کو مکمل ملکی حقوق حاصل ہیں اُنھیں صرف چند شرائط کا جو کہ عُمر، تعلیم اور جائداد کے متعلق ہیں پابند ہونا پڑتا ہے۔ یہ سلوک نہایت حق پسندانہ اور منصفانہ ہے۔ کیونکہ مستورات کو بھی مثل مردوں کے قومی اور شہری معاملات سے دلبستگی ہوتی ہے نہ صرف یہ بلکہ کل معاملات جو رفاہ عام سے تعلق رکھتے ہیں اُن کی دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں رائے دینے کا حق ان خواتین کو ضرور ملنا چاہیئے جو درحقیقت اس استحقاق کے قابل ہیں بالخصوص میونسپل کمیٹیوں اور مقامی اسکولوں کے محکمہ جات ہیں علاوہ اس کے مسیحی خواتین کو مذہبی معاملات کے نظم و نسق میں بھی مردوں کے ساتھ مساوی حقوق ملنے چاہئیں۔

(د) **اخلاقی حقوق**۔ مستورات کو چاہئیے کہ اس امر کا مطالبہ اور اس پر اصرار کریں کہ اُن کا اور مردوں کا ایک ہی اخلاقی معیار مقرر کیا جائے۔ یہ سخت بے انصافی اور ظلم کی بات ہے کہ جس حال مرد تو زناکاری کرنے پر معاف کر دیا جاتا ہے۔ عورت کو پاکدامن رہنے کے لئے بااصرار تاکید کی جاتی ہے۔ اور اگر کبھی وہ غلطی سے اس گناہ کی مرتکب ہو جائے تو اُسے سزائے شدید کا سزاوار

اور مستوجب گردانا جاتا ہے۔ کیا لڑکے لڑکیوں کی نسبت پیدائشاً پاکیزگی میں کمتر ہوتے ہیں؟ کیا لڑکے اور لڑکیوں کے اخلاقی قانون بھی جداگانہ ہیں؟ کیا عورت مرد کی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے؟ کیا ہماری عورتوں کی قدر و منزلت جائیداد اور زندگی سے افزون تر نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسے شخص کو جسے عورتوں کی حرمت کا پاس نہ ہو ہم یونہی معاف کر دیں؟ کیا ایسا کرنے سے اسکی اپنی عزت قایم رہ سکتی ہے؟ علاوہ بریں کیا وجہ ہے کہ عورتوں کی ایک خاص جماعت کے ننگ و ناموس کی تو خاص طور سے محافظت کی جائے اور باقیوں کی نہیں؟ میں پوچھتا ہوں کیا یہ رست ہے اور واجب ہے کہ عورتوں کے ایک خاص گروہ کو پیشہ کرنے پر مجبور کیا جائے اور انہیں مردوں کی شہوانی خواہشات کی انجام دہی کے لئے آلہ کار بنایا جائے اور انکے روح اور جسم کو برباد کیا جائے؟ اس قسم کی باتوں سے ہم اُن عورتوں کو جنکو ہمیں اپنی بہنیں سمجھنا چاہئے بے حد بے عزتی کرتے اور ان کے سخت نقصان کا باعث ٹھہرتے ہیں۔ انصاف تو یہ چاہتا ہے کہ ایسے مرد بھی جو زناکاری کرتے ہیں مثل عورتوں کے شریفوں کی مجلس اور جماعت سے خارج کر دیئے جائیں۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح نے سکھایا ہے کہ اس معاملہ میں مرد عورت سے زیادہ قصوروار ہوتا ہے۔ اور اسی نے ہمیں اس اعلےٰ اور عمدہ اصول کی تعلیم بھی دی ہے کہ طاقتور انسان کا فرض ہے کہ کمزور اور

ناتوان کی حمایت اور حفاظت کرے تاکہ وہ بدی کی آزمائش اور خطرے سے محفوظ رہے۔ ہمارے منجی نے یہ بھی دکھایا ہے کہ عورتوں کے ساتھ پاکیزگی۔ شرافت اور وفاداری سے پیش آنا حقیقی مردانگی کی علامات ہیں اور کہ عورت کی عصمت کی محافظت کرنا ہر ایک مرد کا فرض ہے۔ اُسے واجب ہے کہ اخلاقی معیار سے گرتی ہوئی عورتوں کو بھی ترس کی نگاہ سے دیکھے نہ بہ چشمِ استحقار۔

۴۔ غرضیکہ عورتوں کے حقوق کے مضمون کے متعلق چاہئے کہ ہم روایت اور رواج یا تعصب کو جگہ نہ دیں بلکہ ہمیشہ اس بنیادی اصول کو مدنظر رکھیں کہ "مرد و زن کا معاملہ واحد معاملہ ہے اور دونوں کی ترقی و تنزل باہم وابستہ ہیں"

باب چہارم

فرائضِ مستورات

فصلِ اوّل

یہ ایک عام اصول ہے کہ حقوق سے مراد فرائض ہے اور کہ فرائض حقوق پر منحصر ہیں۔ ہم اپنے فرائض کو تسلیم کئے بغیر اپنے حقوق کا مطالبہ ہی نہیں سکتے۔ اور حقیقت الامر تو یہ ہے کہ فرائض زیادہ اہم ہیں۔ علاوہ اس کے ہمارے فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم دوسروں کے حقوق کی نگرانی کریں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مستورات کا مرتبہ اور اُن کے مقررہ مقاصدِ حیات نہایت اہم اور جاذب توجہ امور ہیں۔ اس وجہ سے اُن کے فرائض اور ذمہ واریاں نہایت بھاری ہیں اس لئے ازبس فکر اور غور کی سزاوار۔

مستورات کا معاملہ آدم زاد کی ترقی اور بہبودی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ قوم و ملّت کی ترقی کے لئے مرد اور عورت کا باہم ملکر کوشش کرنا

ایک لازم وملزوم بات ہے۔ اور جو سچ پوچھو تو ایک طرح سے یہ نسبت مرد کے عورت پر زیادہ منحصر ہے۔ کیونکہ وہ ایسے کام انجام دے سکتی ہے جو مرد کے لئے ممکن نہیں۔ اسی سبب سے قوم اور جماعت کی بہتری وترقی کا کام مائیں ہی انجام دے سکتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہم ایک قوم بنانا چاہیں تو پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ایک خاندان قائم کریں اور عورت کا مقصد بحیثیت ماں اور بیوی کے اپنے خاندان کو اقبالمند اور مستحکم بنانا اور اُن کی صنبانت کرنا ہے۔ البتہ اس اہم کام میں بہنیں بیٹیاں اور دیگر مستورات خانہ بھی حصہ دار ہیں +

۲۔ اکثر اوقات سوشل اور اخلاقی معاملات میں بغیر عورت کی مدد کے کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ ان معاملات کی کنجی ماؤں کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ آنے والی پشت کی تربیت اور پرورش اُنہیں کے سپرد ہے عورتیں۔ راستی۔ پاکیزگی کے اعلےٰ اور نفیس اصول کو مدنظر رکھکر اور ہمدردی۔ بردباری اور خوداںکاری اور تحمل کا عمدہ نمونہ پیش کر کے بنی نوع انسان کی ترقی کا موجب بن سکتی ہیں۔ اس نکتۂ خیال سے عورت کو گھر کا چراغ کہا جا سکتا ہے اور اگر وہ اس چراغ کی روشنی کو مدھم کر دے یا اُس کی روشنی کو بالکل ضائع کر دے تو وہ اپنی ذاتی۔ قدرتی اور روحانی نعمتوں اور فضیلتوں کو بالکل زائل کر دیتی ہے جس کے سبب مرد پر اس کا نیک اثر جاتا رہتا ہے۔ نیک سیرتیں اور خصلتیں ہی تو عورت کا زیور ہیں +

۳۔ دنیا میں سب سے اعلے اور عمدہ منصب گھر کا بنانا ہے۔اس کے لئے بڑی قابلیت۔عقل اور خاص تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے عورت کا حلقۂ حکومت اُس کا گھر ہے۔ اور اُس کا تخت اُس کے شوہر کا دل ہے۔ اور اُس کی رعایا اُس کے پیارے بچّے ہیں۔کتاب مقدس میں ایک لائق اور نیک بخت بیوی کا کیا ہی عمدہ بیان آیا ہے ''وہ اس کی قیمت لعلوں سے بہت زیادہ ہے۔ اُس کے شوہر کے دل کو اُس پر اعتماد ہے سو وہ اپنے شوہر کے لئے زور اور طاقت کا بُرج ہے۔ وہ اپنا منہ کھول کر حکمت کی باتیں بولتی ہے۔ اُس کی زبان میں مہربانی کی شریعت ہے۔ اُس کے بیٹے اُٹھتے ہیں اور اُسے مبارک کہتے ہیں اور اُس کا شوہر بھی اُس کی تعریف کرتا ہے'' امثال ۳۱: ۱۰-۳۱ جن خاندانی فرائض کا ذکر ان آیات میں پایا جاتا ہے ان کی ادائیگی ہر ایک عورت کے لئے موجب راحت ہونی چاہئے۔ لائق اور صاحب فہم بیوی کو یہ ایک بوجھ معلوم نہ دینگے اور اُن کو سرانجام دے کر وہ اپنے گھر کو خوبصورت اور خوشنما بنا سکتی ہے +

۴۔ مستورات کی طبیعت فطرتاً مردوں کی نسبت عام طور پر مذہب کی طرف زیادہ مائل ہوتی اور روحانی اور اخلاقی معاملات میں بھی فہم اور ادراک کے احساسات مردوں کی نسبت بدرجہا تیز تر ہوتے ہیں لہذا یہ اُن کا فرض ہے کہ اپنے سامنے روحانیت کا ایک ارفع و اعلیٰ تصور رکھیں اور اُسے مردوں کو بھی دکھائیں۔ اُنہیں چاہئے کہ

اپنے نمونہ سے یہ بخوبی ظاہر کریں کہ دینداری ہی وہ چیز ہے جو
مصیبتوں میں اطمینان۔ دلیری اور استقلال بخشتی ہے۔ حق بات
تو یہ ہے کہ ہندوستانی عورتیں ہمیشہ مردوں سے خوف زدہ ہوتی
ہیں۔ بلکہ یہانتک کہنا بجا ہے کہ وہ خوف کی ماری ہوئی غلام ہوتی
ہیں۔ وہ باطل پرست ہوتیں اور اپنے دیوتاؤں اور دیویوں سے
ڈرتی ہیں چڑیلوں۔ بھوتوں اور جادو کا خوف اُن کے دل پر حاوی
ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ اُنہیں چشم بد۔ منحوس شگون اور بدقسمتی کا کھٹکا لگا
رہتا ہے۔ کسی مذہب کا ایک ادنیٰ یا اعلیٰ معیار اُس کی عورتوں یا
بچّوں پر اُس کی تاثیر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ ہمارے مذہب سے ہماری عورتوں کو کیا فیض پہنچا ہے؟ وہ خطرہ
اور مصیبت کے موقع پر اُنہیں کیا تسلّی و تشفّی دیتا ہے؟ موت اور
دُکھ کے وقت اس سے کیا اطمینان حاصل ہوتا ہے؟ اس امر کی
کس قدر ضرورت ہے کہ ہماری مستورات ایک سچّے اور اعلےٰ مذہب
کی پیرو ہوں۔ ہم انجیل شریف میں پڑھتے ہیں کہ انواع و اقسام کی
عورتوں نے ہمارے خداوند کے کلام کو سنا اور اُس کی معتقد ہوگئیں
اس کے بعد مسیحی مذہب کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
ہر زمانہ کی نیک اور شریف خواتین کس طرح مسیح خداوند کی گرویدہ
ہو کر اُس کے قدموں میں آئیں اور کس طرح اُنہوں نے ابدی اطمینان
اور طاقت پائی اس لئے کہ اُن کا منجی خداوند اُن کے حال سے بخوبی

واقف تھا۔ دیگر مذاہب کی تواریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں نے ان امور میں بڑا حصّہ لیا ہے +

۵۔ عورتوں کو خداداد طاقت حاصل ہے کہ وہ کسی بگڑی حالت کو سنواریں اور اپنا اثر نیکی کے لئے استعمال کریں۔ اور اگر وہ اپنے اس غرض کو پہچان لیں تو وہ اپنے اس نیک اثر سے مردوں کی ناشائستگی۔ بداخلاقی اور بے دینی کو دور کر سکتی ہیں۔ باہمی شرکتِ عمل سے وہ ہزارہا قسم کی بدیاں مٹا سکتی ہیں۔ بعض قسم کی جماعتی خدمات بالخصوص ایسی ہیں کہ اُن کو محض عورتیں ہی بدرجۂ احسن سرانجام دے سکتی ہیں۔ مثلاً پیشۂ طبابت۔ دایہ گری۔ تعلیم و تدریس وغیرہ کے کام۔ ملک امریکہ میں اسکولوں میں اُستانیاں ہی زیادہ ملازم ہوتی ہیں۔ ملک جاپان میں ستر ہزار اُستانیاں ہیں۔ تعلیم یافتہ مستورات کی امداد کی ایسے صیغہ جات۔ مثلاً بیوہ خانوں۔ گری ہوئی عورتوں کی پناہ گاہوں یتیم خانوں اور اندھوں اور گونگوں اور بہروں کے مدارس وغیرہ میں بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے +

۶۔ کیا ہندوستان کی عورتوں نے اور خصوصاً اُنہوں نے جو تعلیم یافتہ ہیں ان اہم اور مشکل مسائل کو بخوبی سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے جن کا اُنہیں مقابلہ کرنا ہے؟ کیا انہیں اس امر کا بھی احساس ہے کہ اُن کی سب سے اہم ذمہ واری اُس امانت کی نگہداشت ہے جو خالقِ مخلوقات نے روزِ اول سے اُن کے لئے تفویض کی ہے یعنی اپنے گھر اور خاندان کی

محافظت ؟ اُن کے بازو اس قدر طاقتور اور قوی ہوتے جائیں کہ وہ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو دُنیا کے نقصان دہ اور بد تاثرات سے بچا سکیں۔ اُن کے لئے پُرانے رسم و رواج کو دور کرنا از حد مشکل ہوگا لیکن اس سے اُن کی ہمت ٹوٹ نہ جانی چاہئے۔ کیونکہ گو مرد اُن سے زور میں زیادہ ہیں تو بھی عورتیں اپنی پاکیزگی۔ عصمت۔ شائستگی اور محبت میں مردوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ہاں یہ بالکل راست ہے۔ کہ عورت اپنے **گھر کی فرشتہ** بن سکتی ہے جس کی سب لوگ عزت اور توقیر کریں۔ بلکہ گھر سے باہر بھی یقیناً اُس کا اثر پھیل جائے اور سب اُس سے فائدہ اُٹھائیں ممکن ہے کہ وہ ہاتھ جو کہ بچے کے پنگھوڑے کو ڈولتے ہیں ساری دنیا کو ہلا سکیں۔ عورت کا فرض ہے کہ اپنے خاندان کی نیکی۔ گھر کی صفائی و شستگی اور بیاہ کی پاکیزگی کو برقرار رکھے۔ اور اپنے خاوند کی کامیابی اور بچوں کے آرام اور نیک چلنی کا خیال اُسے ہر دم لگا رہے ۔

فصل دوم

ا۔ حالت مادری عورت کا طبعی اور قدرتی فرض اور یہی اُس کا حلقۂ خدمت ہے۔ ہاں نہ صرف اپنے بچوں کی جسمانی صحت ہی کو قائم

رکھ سکتی ہے بلکہ اُن کی روحانی اور اخلاقی حالت کو بھی۔ وہ اپنے بچوں کو طرح طرح کی بدیوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہونے سے بچا سکتی ہے۔ وہ اُن کو ہر طرح کی ناراستی اور غلاظت سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسے معاملات ہیں جن کی ذمہ واری صرف باپ کے کاندھوں پر نہیں چھوڑی جا سکتی۔ یہ ماں ہی کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کو جھوٹ۔ فریب اور چوری سے نفرت دلائے۔

گالی گلوچ اور گندے خیالات اور بُرے افعال سے باز رکھے۔ اور بُری صحبت میں بیٹھنے سے منع کرے۔ یہ ماں ہی کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کے لئے اور اُن کے ساتھ کمال سنجیدگی سے دعا مانگنے کی عادت اُن میں پیدا کرے کیونکہ بچے جوان ہو کر کبھی اُن دعاؤں کو جو انہوں نے اپنی ماں کے گھٹنوں پہ سر رکھکر سیکھی ہیں نہیں بھول سکتے۔ ماں کو چاہئیے کہ ہمیشہ ہوشیاری سے اپنے بچوں کی نگہبانی کرے۔ اُسے اپنے بچوں کو یہ تعلیم دینی چاہئیے کہ وہ اپنے جسم اور دل ہمیشہ صاف رکھیں اور لڑکوں کو خاصکر یہ تربیت دی جائے کہ وہ جوان ہو کر تمام عورتوں کو اپنی ماں اور بہن تصور کریں اور ہمیشہ اُن کی عزت و تعظیم کریں اور اُن کی مدد کے لئے مستعد رہیں۔ لڑکوں کو بچپن ہی سے اپنے والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا سکھانا چاہئیے۔ بہنوں کو بھائیوں کے تابع رہنا اور ہمیشہ اُن کی خدمت ہی کرنا درست نہیں بلکہ برعکس اس کے بھائیوں کو واجب ہے کہ اپنی بہنوں کے ساتھ شائستگی۔ تہذیب اور خود انکاری

سے پیش آئیں اور ہمیشہ اُن کی مدد کریں۔ لڑکوں کو شروع ہی سے یہ زرّیں اصول سکھانا چاہئیے کہ "زور آور پر کمزور کی مدد کرنا فرض ہے"! تاکہ وہ سن بلوغ کو پہنچکر ہمیشہ عورتوں کے آرام و آسائش کا خیال کریں نہ برعکس اس کے جیسا کہ ابتک ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر لڑکے شروع ہی میں اپنے جذبات کو ضبط کرنے کا سبق اچھی طرح یاد کرلیں تو جوان ہوکر اس سے اُن کو از حد فائدہ پہنچیگا۔ ماں کی پُر جوش محبت اُس کے بچوں کے لغزش کھاتے ہوئے پاؤں کو راستی اور خدا پرستی کے راستہ پر لے آئیگی۔ نیک اور خدا پرست ماں کے آنسو اور اُس کی دُعائیں اُسکے بچوں کو دُنیا کی بدی سے بچا لینگے۔ کیا ہی خوش قسمت وہ بچے ہیں جنکی ماں ایسی ہو! خاندان ایک قسم کا مدرسہ ہے۔ جہاں ماں اوّل مدّرس ہے۔ اور بھائی اور بہن بھی ایک دوسرے کی تربیت کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ بے شک باپ بھی گھر کا سر اور سردار ہونے کی حیثیت سے اس میں حصہ دار ہے لڑکوں کو بالخصوص تنبیہ دینے اور قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ ماں کو چاہئیے کہ لاڈ پیار اور پاسداری کرکے انہیں بگاڑ نہ دے۔ دراصل یہ درست نہیں کیونکہ اس طرح اُن کی مشکلات کو آسان کرکے اُن کو دُنیا کی کشمکش میں مقابلہ کرنے کے قابل نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر اُنہیں وقت اور روپے کی قدر کرنا سکھانا چاہئیے۔ کیونکہ ان دونوں کو ضائع کرنے سے ہر قسم کی بدی پیدا ہوتی ہے۔ ایک مشہور کہاوت ہے کہ اِبلیس ہمیشہ کاہل لوگوں

کے لئے کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کرتا ہے" اور یہ مثل بھی زبان زدِ خاص و عام ہے کہ "خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہے"۔ دولتمند نوجوان بہ نسبت دوسروں کے آزمائش میں زیادہ گرتے ہیں۔ لڑکوں کو ہمیشہ یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے۔ کہ وہ جوانمرد۔ پاکباز۔ معتبر اور دیانتدار ہوں۔ اس سے بڑھکر اُن کو مذہبی اصولوں اور دینی معاملات کی واقفیت ہونی چاہئیے۔ لیکن اس امر کا لحاظ رہے کہ مذہبی امور اُن کی طبیعت پر گرانبار یا ناخوشگوار نہ ہو جائیں۔ خداوند یسوع مسیح کو اُن کے سامنے انسانِ کامل کی صورت میں پیش کرنا چاہئیے جس کو وہ اپنا ہادی اور رہبر سمجھکر اس کی پیروی اختیار کر لیں +

۳۔ بیٹیوں کے ساتھ ماؤں کا تعلق بہت ہی نزدیکی ہونا چاہئیے اور اُن کو اُن کے سامنے نہایت ہی اعلیٰ نمونہ رکھنا چاہئیے۔ تاکہ وہ اُسکی تقلید کر سکیں۔ اسی طرح لڑکوں کے ساتھ بھی اُن کا تعلق گہرا ہونا چاہئیے۔ اور اُن کی تربیت اور پرورش میں جو مشکلات اُنہیں درپیش آئیں اُن سے اُنہیں مطلقاً ہراساں یا کم حوصلہ نہ ہونا چاہئیے۔ بلکہ چاہئیے کہ وہ دیکھیں اور محسوس کریں کہ اُن کی تاثیر درحقیقت اُن کے لڑکوں پر کتنی ہے۔ ایک عام ضرب المثل ہے کہ "مرد اُسی سانچے میں ڈھلتے ہیں جس میں عورت اُنہیں ڈھالے"۔ عورت جیسا آدمی کو بنائے ویسا ہی بنتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں جو سب سے زیادہ

نیک اور شریف آدمی ہو گذرے ہیں وہ سب کے سب اپنی فرشتہ سیرت ماں۔ اپنی نیکو کار بیوی یا اپنی خدا پرست بہن کے شرمندۂ احسان ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کا بگاڑنا یا بنانا عورت کے ہاتھ میں ہے۔ اکثر اوقات خاندان کا پہلوٹھا بیٹا اپنی خاص خصلتیں اپنی ماں ہی سے ورثہ میں پاتا ہے۔ ابواب ماسبق میں واضح ہو چکا ہے کہ مستورات کے فرائض اور خدمات نہایت اہم اور سنجیدہ ہیں لہذا لڑکیوں کی تعلیم اس قسم کی ہونی چاہئے جو اُن کو سمجھدار اور لائق مائیں بننے کے قابل بنائے۔ یہ تو بالکل صاف ظاہر ہے کہ اُن کی خاندانی تربیت مدرسہ کی تعلیم سے زیادہ ضروری ہے۔ بے شک یہ تعلیم بھی اُن کے لئے لازمی ہے لیکن لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم ایک قسم کی نہیں ہونی چاہئے بلکہ لڑکیوں کو ایسے مضامین سکھائے جائیں جو اُن کے ذاتی اور طبعی مقاصد کے حسب حال ہوں۔ سخت محنت کرنے اور امتحان میں لڑکوں کا مقابلہ کرنے سے اُن کی صحت میں فرق آجاتا ہے۔ مدرسوں میں دیگر مفید مضامین کے علاوہ اُن کو علمِ حفظانِ صحت۔ علمِ حیوانات۔ کیڑے مکوڑوں مچھروں وغیرہ کا علم کہ جن سے متعدد امراض پیدا ہوتے ہیں سکھانے چاہئیں لیکن گھر میں اُن کو پکانا۔ سینا۔ پرونا۔ کپڑے قطع کرنا۔ بُننا اور گلکاری زردوزی۔ چکن دوزی۔ گھر کی صحت۔ صفائی و آراستگی وغیرہ کے کام سکھانے چاہئیں۔ تاکہ وہ اپنے گھر کو صاف و ستھرا رکھ سکیں اور خانگی کاروبار کا اچھا انتظام کر کے اچھی مائیں اور اچھی بیویاں بنیں۔

اگر موسیقی اور مصوّری کے علوم کی تعلیم بھی ممکن ہو سکے تو بہت اچھا ہو۔ المختصر خانہ داری وہ فن ہے جس میں ماہر ہونا یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کرنے سے بدرجہا بہتر اور مفید ہے۔ خانہ داری کے معمولی کام مثلاً کھانا پکانا۔ کفایت شعاری۔ گھر کا انتظام کرنا۔ اور سینے کی مشین چلانا۔ تیمارداری اور حفظان صحت کے علم سے بہرہ ور ہونا یہ باتیں علامہ بننے اور ڈگریاں حاصل کرنے سے کہیں زیادہ ضروری ہیں۔ لڑکیوں کو شروع ہی سے کام کرنے اور کفایت شعار بننے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اگر تجربہ کار اور بڑی عمر کی عورتیں نوجوان لڑکیوں کو اپنے نمونہ اور اپنی زبان سے یہ تعلیم دیں کہ وہ سادہ اور کم خرچ طریقہ اور طرزِ معاشرت اختیار کریں اور امیرانہ شوق اور مغربی فیشن کی تقلید اور نوکر چاکر رکھنے اور عیش میں زندگی بسر کرنے کے فضول خیال کو ترک کر دیں تو وہ قوم کی بڑی خدمت سرانجام دے سکتی ہیں اے کاش کہ ہماری لڑکیاں ظاہرداری۔ فیشن۔ سجاوٹ اور عیش پسندی کے بیہودہ خیالات کو جڑ سے نکال کر اپنی زیست کے آیام کسی اعلےٰ اور عمدہ مقصد کے لئے صرف کرنے پر مستعد اور کمربستہ ہو جائیں +

۳۔ مستورات کو زمانہ کے تغیر و تبدّل میں حصہ لینے کے قابل ہونا چاہئے کیونکہ اُن کی مدد کے بغیر یہ کام پورے نہیں ہو سکتے اب یہ ضروری سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِن وسیع امور میں کہ جن کا انجام

یا تو انتہا درجہ کا فائدہ یا برعکس اس کے بے حد نقصان ہوگا عورتوں کو کیا کرنا چاہئے۔ کیا وہ اپنی ذمہ واریاں محسوس کرینگی اور اپنی لیاقت اور قابلیت کا استعمال کر کے اُن مقاصد اور خدمات کو جو خداوند کریم نے اُن کے سپرد کئے ہیں اور جن کی انجام دہی کے لئے وہ انہیں دعوت دیتا ہے لبیک کہتی ہوئی میدان عمل میں نکلینگی؟ ان کی تکمیل میں اُنکو دانائی۔ فہم۔ دلیری۔ خود انکاری اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ اس موقع پر مسیحی خواتین کا فرض ہے کہ اس عظیم خدمت میں اپنی غیر مسیحی بہنوں کی رہبری کریں۔ کیا مسیحی خواتین اس جلیل خدمت کے لئے تیار ہیں؟ اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ مسیحی خاندان ایک غیر مسیحی سرزمین میں نور کی مانند ہے۔ جس نے اڑوس پڑوس میں ضیا باریاں کرنی ہیں ٭

باب پنجم

بچّوں کی پرورش اور تربیت

ہم دیکھ چکے ہیں کہ خاندانی زندگی کا مرکز بچّہ ہے ۔کیونکہ اُسی سے نسل انسان کی ترقی ہوتی ہے ۔بچّہ خود نسل انسانی کا نمایندہ ہے چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ بچّہ کی عادات ۔ چال چلن اور اُس کا مستقبل گھر کی تربیت پر موقوف ہیں ۔ لہذا شوہر اور بیوی کے باہمی تعلقات غور طلب ہیں کیونکہ اُن کا اثر اُن کے بچّہ پر پڑتا ہے ۔اگر والدین جاہل ۔ دُنیا سازنہ ۔خود غرض ۔ زرپرست ۔عیش پسند اور خُدا سے غافل ہوں تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اُن کے بچّے جوان ہو کر خوش اطوار اور خدا ترس نکلیں ۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ فقط بچّے ہی کی تربیت کی ضرورت ہے ۔بلکہ کہیں زیادہ والدین کی تربیت کی بھی ۔عموماً ہم خیال کرتے ہیں کہ بچّے اپنے والدین کے منت کش اور زیربار احسان ہوتے ہیں ۔گو یہ حقیقت تو ہے ۔لیکن والدین کسی حد تک اپنی اولاد کے قرضدار ہیں کیونکہ اُن کے دُنیا میں لانے کا باعث وہ ہی ہیں ۔ اس وجہ سے چاہئے کہ بچّوں کی حقیقت پر خوب غور کریں۔

خاصکر ماؤں کو چاہئے کہ بچوں کی فطرت اور فرائض پرورش سے واقف ہوں کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ ہزارہا والدین جو اپنے بچوں پر یُوں تو جان نثار کرتے ہیں لیکن جہالت کی وجہ سے اُن کی پرورش کرنے میں ایسے غلط طریقے استعمال کرتے ہیں جو نہ صرف اُن کو بچپن ہی میں نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ مابعد کی زندگی میں بھی اُن کا اثر اُن کی کامیابی میں سدِ راہ ثابت ہوتا ہے۔ مقامِ صد افسوس ہے کہ اس قماش کے والدین کو اس بات کا احساس نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو کس قدر نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن اُن کی نافہمی اور بے علمی ہی اس کا سبب ہے۔

ہم خوب یاد رکھیں کہ بچوں کی تربیت میں محض لاڈ اور محبت کی ضرورت نہیں۔ ہمارے خداوند نے فرمایا کہ "درخت اچھا لگاؤ تو اچھا پھل پاؤ گے" اگر چال چلن نیک ہو گا تو اعمال بھی نیک ہونگے۔ بچوں کی تربیت بہت کچھ اُن ماحول پر منحصر ہے کہ جن میں وہ پلتے ہیں۔ لیکن واضح الفاظ میں اس کی تشریح کرنا ایک امر ناممکن ہے۔ بچوں کا حال پودوں کا سا ہے یا یُوں کہو کہ گھر ایک باغ ہے جہاں ننھے پودوں کی مانند بڑھتے اور نشوونما پاتے ہیں۔ اور تازہ ہوا سورج کی روشنی اور ماں کی محبت یہ تین چیزیں ہیں جن سے کہ بچوں کی صحت درحالتِ عامہ درست رہ سکتی ہے۔ بچوں کی تربیت میں والدین مثل ایک باغبان کے ہیں کیونکہ وہ مختلف پودوں کی جداگانہ خصوصیات سے واقف ہوتا اور جانتا ہے کہ فلاں پودہ کی نشوونما میں فلاں چیز مفید اور کارگر

ہوتی ہے۔ یا اُنہیں چرواہوں کی مانند ہونا چاہئے جو اپنی بھیڑوں کے بچوں کو بڑی خبرداری سے پالتے ہیں اسی طرح والدین پر فرض ہے کہ وہ اپنے بچّوں کی عادتوں۔ خاصیتوں اور طبیعتوں کا خوب مطالعہ کریں کیونکہ ہر ایک بچّہ کی طبیعت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اور اُن میں سے ہر ایک جداگانہ سلوک کا طالب اور متقاضی ہوتا ہے +

۲۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت دُنیا میں سب سے اعلیٰ اور پاکیزہ خدمت ہے۔ لہذا والدین کو اس کا خاص علم اور واقفیت اور اس خدمت سے دلی عقیدت ہونی چاہئے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ بہت ہی کم والدین ایسے ہیں جنہوں نے اس اہم اور مقدم خدمت کی انجام دہی میں کما حقہٗ مہارت پیدا کی ہے۔ یہ ایک خوفناک حقیقت ہے کہ بچّوں میں ننانوے فیصدی اموات والدین کی بے پروائی اور غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ کیا ہم ایسے والدین کو خونی کہنے کے مجاز نہیں؟ "خونی" نہ سہی لیکن اتنا تو کم از کم ضرور کہینگے کہ وہ انتہا درجہ کی مجرمانہ غفلت اور جہالت کے جرم کے مرتکب ہیں۔ آہ! ذرا خیال تو کرو کہ آج کتنی بیش قیمت جانیں پیش از وقت لقمہ اجل ہو رہی ہیں۔ بچّہ کی پیدائش کے وقت بھلا کون بتا سکتا ہے کہ اُس میں کیا کیا خداداد قابلیتیں اور استعدادیں مخفی اور مستور ہیں۔ کیا عجب کہ یہ لڑکا اپنی قوم کا ایک سرکردہ رہنما بن جائے۔ مثلاً کسے معلوم کہ وہ لڑکی جوان ہو کر اپنی قوم کی کوئی عظیم خدمت انجام دے +

۳۔ چھوٹے بچے مثل نومضروب سکوں کے ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے شاہی خزانہ سے نکلتے ہیں۔ مادرگیتی نے بچہ سے بڑھکر اور کوئی نفیس اور خوشنما چیز پیدا نہیں کی۔ وہ دنیا میں سب سے قیمتی اور بیش بہا ملکیت ہے۔ دنیا کی خوشیوں میں اس سے بڑھکر عورت کیلئے کوئی دوسری خوشی نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے بچے کو اپنی گود میں لیکر اپنی چھاتی سے لگالے۔ نہ ہی مرد کے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی راحت ممکن ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے بچہ کو اپنی آغوش میں لیکر محبت بھری نگاہوں سے اسکی خوبصورت آنکھوں میں دیکھے اور اس کے دلفریب اور پیارے چہرے کی مسکراہٹ اور تبسّم سے اپنی چشم سیری کیا کرے۔ جب بچے اپنے معصوم لبوں سے تتلاتے ہوئے "اماں" اور "ابا" کے الفاظ نکالتے ہیں تو ان سے شیریں تر الفاظ ہمیں دنیا بھر کی انسانی زبانوں میں کہیں ملتے ہی نہیں۔

۴۔ بچے خداوند کریم کی سب سے بیش قیمت نعمت ہیں۔ وہ خود بچوں کو پیار کرتا ہے۔ اور ہر ایک بچہ میں وہ خود موجود ہوتا ہے انجیل شریف میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب ہمارا خداوند اپنے شاگردوں کو کوئی بڑا سبق سکھانا چاہتا تھا تو اس نے ایک بچہ کو پاس بلاکر اُن کے درمیان کھڑا کر کے یوں فرمایا "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم نہ پھرو اور بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے"۔ اس نے یہ بھی فرمایا کہ "جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلاتا ہے اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک

بڑی چکی کا پاٹ اُس کے گلے میں لٹکایا جائے۔ اور وہ گہرے سمندر میں ڈبو دیا جائے"۔ ایک دوسرے موقع پر جب مائیں اپنے بچوں کو مسیح کے پاس لائیں تاکہ وہ اُنہیں برکت دے تو اُس نے بچوں کو اپنی گود میں لیا اور فرمایا "چھوٹے بچوں کو مجھ پاس آنے دو اور اُنہیں منع نہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت ایسوں ہی کی ہے"۔ چھوٹے بچے ہماری خبر گیری اور محافظت کے مستحق ہیں۔ وہ باری تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے پیغامبر ہو کر آئے ہیں اور ہمارے استاد ہیں جو ہمیں دنیا کے اہم اور مشکل سبق سکھاتے ہیں۔ وہ ہمارے واعظ ہیں جو ہم کو اعلیٰ اور عمدہ وعظ سناتے ہیں۔ حقیقت میں والدین کو اپنے بچوں کی طرف سے افضل اور نفیس نعمتیں اور بخششیں ملتی ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے ایسے مرد ہیں اور بہت سی ایسی عورتیں بھی جو درحقیقت ماں اور باپ ہونے کے لائق نہیں۔

۵۔ ہمارا روئے سخن بالخصوص اس وقت عورتوں کی طرف ہے اور ہم ان کی منت کرتے ہیں کہ وہ اپنے اُس مبارک اور عظیم اختیار کو محسوس کریں جو اُن کو اپنے بچوں کے چال چلن کے بنانے اور اصلاح کرنے کے لئے تفویض ہوا ہے۔ خاندان کی صورت اور سیرت ماں کی صورت اور سیرت کے ڈھانچے پر ڈھلتی ہے۔ محض ایک نیک بیوی اور نیک ماں ہی صحیح معانی میں ایک قابل نمونہ گھر بنا سکتی ہے۔ ماں کی تاثیر جو اُس کے گھر پر ہوتی ہے لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی کیونکہ

وہ بچہ کی پیدائش سے پیشتر بھی اس پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ یہ قبل از پیدائش تاثیر ایک حقیقت ہے اور اس سے سب بخوبی واقف ہیں۔ رشتہ مادری بھی سچ مچ ایک عجیب و غریب راز ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ باپ کے مزاج اور طبیعت کا اثر موروثی طور پر بچوں میں ضرور آتا ہے۔ لیکن ماں کی خو بو کا اثر خاصکر لڑکوں میں زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہوشیار اور تیز فہم ماؤں کے لڑکے بھی ذکی اور فہیم ہوتے ہیں۔ والدین کی ہمیشہ یہ توقع ہونی چاہئیے کہ ان کے بچے ان سے دو قدم آگے ہی ہوں۔ اس لئے کہ ہر ایک بچہ ماں اور باپ دونوں کے گن وراثت میں پاتا ہے اور تربیت اور تعلیم سے یہ صفات اور گن اور بھی زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ والدین کا یہ فرض ہونا چاہئیے کہ اس سمت میں ضروری تدابیر عمل میں لائیں +

۲۔ یاد رکھنا چاہئیے کہ تربیت کی تاثیر بچوں کے چال چلن پر موروثی تاثیر سے زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ بچے گندھی ہوئی صاف مٹی کی مانند ہوتے ہیں کہ جس کو جس شکل میں چاہیں خواہ وہ خوبصورت ہو یا بد صورت بنا دیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ان کو عمدہ اور اعلیٰ تعلیم دی جائے۔ تاکہ ان کے اخلاقی۔ جسمانی اور روحانی قوا پوری ترقی کر سکیں ان کے دل نرم اور زرخیز زمین کی مانند ہوتے ہیں جس میں اچھا بیج بویا جا سکتا ہے۔ چاہئیے کہ ان کے لئے عمدہ کتابیں مہیا کی جائیں۔ والدین انہیں پڑھکر سنائیں اور بعد میں اس مضمون پر باہم دگر گفتگو

کریں۔ کتابوں کے مطالعہ کی عادت بہت مفید ہے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ بہت کم بچوں میں یہ عادت پائی جاتی ہے ۔

۷ ۔ بچے قدرتی طور پر چستی۔ چالاکی۔ پھرتی اور رازجوئی کے شوق سے پُر ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ کبھی تھکتے نہیں ۔ وہ ہمیشہ ہر ایک چیز کو چھونا اور دیکھنا چاہتے اور اُس کے متعلق بے شمار سوال کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ بچے ایسے سوال پوچھتے ہیں جن کے جواب سے دانا آدمی بھی حیران رہ جاتے ہیں۔ بچے ہمیشہ کودتے۔ پھاندتے اور کوئی نہ کوئی شرارت کرتے رہتے ہیں۔ والدین کو چاہیئے۔ کہ بجائے اُن کو ان حرکتوں سے روکنے کے وہ ان کو نیکی اور راستی کی طرف رغبت دلائیں اور ہمیشہ خوشی اور دانائی سے اُن کے سوالات کا جواب دیں۔ پس ہم یاد رکھیں کہ ہدایت ممانعت سے بہتر ہے ۔ بچوں کو ڈرانا یا دبانا نقصان دہ ہے ۔ والدین اکثر بچوں کو دھمکاتے اور یہ کہتے رہتے ہیں کہ "یہ نہ کرو ۔ وہ نہ کرو"! آرام سے بیٹھو یا میں تھپڑ مارونگی یا" وغیرہ لیکن یہ طریقہ غلط ہے ۔ اول تو والدین کو نہ صرف ہر وقت بچوں کو گھرکتے ہی نہ رہنا چاہیئے ۔ بلکہ کبھی اُنہیں بچوں کے ساتھ ایسے وعدے بھی نہ کرنا چاہئیں جن کو وہ پورا نہ کرسکیں ۔ یہ بڑی بھاری غلطی ہے کہ بچوں کو ہمیشہ جو کچھ وہ چاہیں دے دیا جائے ۔ درحقیقت یہ اُن کے حال پر ظلم کرنا ہے ۔ وہ بچے کیا ہی خوش قسمت ہیں جن کے والدین اُن کے دوست اور محرم راز ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس نازک وقت یعنی سن بلوغت کو پہنچنے

پر لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو ہمدردی اور نیک صلاح و مشورہ کی ازبس ضرورت ہوتی ہے۔ جب وہ روٹی مانگیں تو چاہئے کہ ہم اُنہیں پتھر نہ دیں +

۸ - یہ نہایت لازمی ہے کہ ہمارے بچّے مذہبی ماحول میں نشوونما پائیں اور مذہبی اور الٰہی باتوں کو گویا اپنے اندر جذب کریں۔ خدائے تعالیٰ کی عزت و تعظیم کریں اور اُسے اپنا آسمانی باپ سمجھیں اور خداوند یسوع مسیح کو اپنا خداوند اور منجی جان کر اُسے پیار کریں +

بچّوں کی رُوح "تم میں سے ایسا کون ہے کہ جب اُس کا بیٹا روٹی مانگے تو وہ اُسے پتھر دے" بچوں کی روحانی بھوک کو مٹانا چاہئے۔ وہ زندگی کی روٹی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ چاہئے کہ بچے بچپن ہی سے متواتر اپنے والدین کے ہمراہ گرجہ جایا کریں اور خداوند کے گھر کو اپنا گھر تصور کریں۔ روزانہ کلام کی تلاوت۔ خاندانی دُعا اور کھانے سے پیشتر برکت چاہنا۔ سبت سکول جانا اور کتاب مقدس کی آیات اور کیٹی کزم یعنی دینی سوال و جواب کو حفظ کرنا یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کا اثر ہمیشہ تک قائم رہتا ہے۔ امثال ۹:۲۱ میں کیا ہی برحق اور درست لکھا ہے کہ "لڑکے کو اس راہ میں کہ جس میں اُسے جانا ہے سویرے تربیت کر کیونکہ جب وہ بوڑھا ہوا تو وہ اس راہ سے نہ مڑیگا" والدین کے نمونہ پر سب کچھ منحصر ہے۔ غیرفانی روحیں اُن کے سپرد کی گئی ہیں۔ لہٰذا انہیں واجب ہے کہ اپنی زندگیاں ایسی

بسر کریں کہ جب وہ اس دارفانی سے کوچ کرجائیں تو اُن کے بچے انہیں مبارک کہیں اور خُداوند کریم کا شکریہ ادا کریں جس نے اُنہیں ایسے ماں باپ عطا کئے جو کہ ہمیشہ اُن کے سامنے اعلیٰ ترین تصورات اور قابلِ تقلید نمونہ رکھتے ہیں ✦

فصلِ دوم

ا۔مندرجہ ذیل ہدایات مفید ثابت ہونگی :۔

(الف)۔ابتداہی سے بچّوں کو کھانے ۔ پینے ۔سونے اور جسم کی صفائی کی عمدہ عادات پیدا کرنا چاہئیں ۔کیونکہ بچپن میں تو ایسا کرنا ممکن ہے ۔لیکن بعد میں مشکل ۔صحیح اور حقیقی اخلاقی ترقی کے لئے تندرست اور سالم جسم درکار ہے ۔ ایسا بچّہ جو تندرست پیدا ہوتا ہے اور تازہ ہوا ۔ دھوپ مناسب خوراک ۔موزون لباس اور ورزش اور کھیل کود سے اپنی اصلی حالت کو برقرار رکھتا ہے تو اُس کی اخلاقی حالت بھی اسی طرح صحیح وسالم ہوتی ہے تندرستی کے لئے کھیل کود لازمی ہیں ۔یورپ اور امریکہ میں لڑکیاں بھی لڑکوں کے کھیل کھیلتی ہیں ✦

بچّوں کو جسم اور لباس صاف رکھنے کی عادت ڈالنا چاہئے

اُنہیں گندے خیالات۔ ناپاک الفاظ اور بدعادات سے نفرت دلانی چاہئے۔ مٹھائی کے بجائے طاقت دینے والی خوراک کی ضرورت ہے۔ تمباکو اور شراب نوشی بچّوں کے لئے نہایت مضر ہے۔ بچّوں کی عمر کے پہلے چار سال بالخصوص جاذب توجہ ہوتے ہیں۔ پھر اگر آٹھ سال کی عمر تک اُن کی تربیت درست طریقوں پر ہو تو بنیاد پکّی اور پختہ ہو جاتی ہے +

۲۔ جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے سب سے پہلے چاہیئے کہ والدین اپنے بچّوں کو مذہبی باتیں سکھائیں۔ اگر والدین نیک عقلمند اور آپس میں محبت کرنے والے ہیں تو بچّہ ضرور یقین کریگا کہ خدا بھی جو ہمارا آسمانی باپ ہے یہی اوصاف رکھتا ہے۔ بچّوں کو کتاب مقدس کی عمدہ کہانیاں سنانا چاہئیں۔ اور خدا کو قادرِ مطلق۔ پاک ذات۔ خالق اور مالک جان کر اُس سے کمال عجز اور فروتنی سے دُعا مانگنا سکھانا چاہیئے۔ ما سوا اس کے اُنہیں یہ بھی بتانا چاہیئے کہ وہ یعنی خدا رحیم۔ کریم۔ شفیق اور محبت والا باپ ہے اور اعتماد اور توکل کا سزاوار۔ جو ہمیشہ ہماری دعاؤں کو سنتا اور ہماری ہر ایک احتیاج کو رفع کرتا ہے۔ بچّوں کو "اے خدا! تو مجھے دیکھتا ہے" کا مفہوم بخوبی سمجھانا چاہیئے +

خاندانی دُعا خدا کے فضل حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے نہایت ضروری ہے مسیح خداوند نے فرمایا ہے کہ "جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہونگے میں اُن کے درمیان ہونگا" کیا جب ماں-

باپ اور بچہ دُعا کے لئے جمع ہوتے ہیں تو یہ قول اُن پر صادق نہیں آتا؟

۳۔ کیا ہی مبارک ہے وہ گھر جہاں ایسے قصّے سنائے اور ایسے گیت گائے جاتے ہیں جن سے بچے بہادری۔ دلیری اور اپنے اوپر بھروسہ رکھنے کے سبق سیکھتے ہیں۔ خوف بچّوں کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔ تاریکی کا ڈر۔ خطروں کا ڈر۔ موت اور جانوروں کا ڈر اکثر بچّوں کو ناخوش اور بے چین کرتا ہے۔ علاوہ بریں بزدلی۔ بدمزاجی کُڑکُڑاہٹ اور ہمیشہ شکایت کرنے اور گُنگناتے رہنے سے بچّے زندگی میں کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ بدمزاج اور ڈھیٹھ بچّہ کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ سلیمان نے کیا خوب کہا ہے کہ "خوش مزاجی ہزار دواؤں سے بہتر ہے"

۴۔ بچّوں کو شروع ہی سے جانوروں اور پودوں وغیرہ میں دلچسپی دلانی چاہئے۔ بالکل چھوٹے بچّوں کے لئے مطالعہ قدرت کچھ مشکل کام نہیں۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ پہاڑ۔ زمین و آسمان اور دیگر قدرتی مناظر کا مشاہدہ کرنے اور ان کی خوبصورتی کو دیکھنے سے ایک عجیب خوشی اور حظ حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ تمام خالق مخلوقات کی قدرت اور جلال سے معمور ہیں۔ قدرت خدا کی ہیکل ہے اور کل سرزمین اُس کی حکمت اور شان سے پُر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس علم موسیقی اور علم صنعت و خوبصورتی کا مذاق بھی بچّوں میں پیدا کرنا چاہئے اِس کے

بغیر بھی تعلیم ادھوری رہتی ہے +

(ب) بچّوں کو سزا دینے اور سرزنش کرنے کا کام ایک نہایت مشکل کام ہے۔ جھوٹ بولنے۔ گالی بکنے اور چوری کرنے کے لئے سزا دیتے وقت یہ مناسب ہے کہ بچّوں کو دانائی سے سمجھایا جائے کہ وہ اُن کے اخلاقی فائدہ کیلئے ہے جیسے کہ کڑوی دوا مرض کو دور کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ بُری عادت ایک مرض ہے جس کو ترک کرنا ضرور ہے۔ اس سے بچّوں کو بدی کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہوگی۔ اور اس طریق سے اُنہیں سمجھایا جائے تو بچّے اپنی سزا کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرینگے کیونکہ وہ سمجھ لینگے کہ یہ اُن کی بھلائی اور بہتری کے لئے ہے لیکن بخلاف اِس کے اگر اِن کے ساتھ بے انصافی کی جائے یعنی کم شرارت کے لئے زیادہ سزا دی جائے تو وہ فریبی اور سرکش بن جائینگے۔ والدین کو چاہئے کہ بڑے صبر اور استقلال کے ساتھ بچّوں کو نیکی اور بدی میں امتیاز کرنا سکھائیں محض لفظوں سے نہیں بلکہ اپنے نیک نمونہ سے بھی اُنہیں یہی سبق دیں کیونکہ بچّوں میں سننے اور دیکھنے کی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے اور اُن کی نظر سے کوئی چیز بچ نہیں سکتی۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ آ[illegible] واحد میں اپنے بزرگوں کی مانند ہرگز نہیں بن سکتے لہٰذا اُن کے [illegible] چھوٹے قصوروں سے درگذر کرنا چاہئے [illegible]

ایک بات ہیں زبردستی سے کام لینا بھی ضرور ہوگا۔ اور وہ یہ کہ بچے پوری اور کامل فرمانبرداری کرنا سیکھیں اور اپنے والدین کے حکموں کی فوری تعمیل کریں۔ اگر بڑے لڑکوں کو ضبط او قابو میں رکھنا ماں کے حیطۂ ہمت سے باہر ہو تو چاہئے کہ باپ انہیں اپنے ہاتھ میں لے اس لئے کہ اگر بچے نافرمانبردار ہونگے تو اس سے نہ صرف والدین کو بلکہ خود ان کو بھی تکلیف اور رنج پہنچے گا۔ بے قاعدگی انسان کے لئے ایک سخت لعنت ہے لہذا بچوں کو نگام اور دبانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ تابعداری اور ضبط کا سبق سیکھیں۔

(ج) کئی ایک طریقے ہیں کہ جن سے بچوں کو غلط راہ پر چلنے سے بچایا جاسکتا ہے :۔ (۱) ہدایت اور نصیحت سے۔ (۲) ترغیب سے۔ (۳) تنبیہ سے۔ (۴) ان کے تفریحی مشغلوں اور دیگر حقوق پر پابندیاں عائد کرنے سے۔ (۵) اور نیز جسمانی سزا سے مثلاً بید کی سزا جو صرف دس یا بارہ برس کی عمر تک جائز ہے۔ اور اس وقت بھی نہایت عقلمندی اور ہوشیاری کے ساتھ کام لینا مناسب ہے کیونکہ غصہ کی حالت میں بے وجہ بغیر سوچے سمجھے یا بے تحاشہ پیٹنا درست نہیں۔ سلیمان فرماتا ہے کہ " وہ جو اپنی چھڑی کو باز رکھتا ہے اپنے بیٹے سے کینہ رکھتا ہے "۔ پانچ یا چھ سال کی عمر سے پیشتر جس وقت بچہ ضد کرے تو اس کو الٹا لٹا کر اس کی پیٹھ پر تھپڑ

مارنا ایک نہایت عمدہ سزا ہے۔ اگر بچے اپنے والدین کو پیار کرتے ہیں تو اُن کے لئے سخت حکموں اور سخت سزاؤں کی چنداں ضرورت نہ ہو گی۔

(د) بچوں کے بچپن اور بلوغت کے درمیانی زمانہ کے لئے نہایت صبر اور استقلال کی ضرورت ہے۔ اُس وقت والدین کو چاہیے کہ زبردستی کے بجائے محبت اور پیار سے اُنہیں سمجھا کر راستی کی طرف مائل کریں کیونکہ بچوں کے لئے آئندہ عمر میں خود انکاری اور اطاعت کا یہ سیکھا ہوا سبق نہایت مفید ثابت ہو گا۔ ماسوا اس کے والدین کی سخت کلامی۔ بدزبانی۔ بے انصافی اور ہر وقت کی لفظ چینی اور روک ٹوک سے خاندانی زندگی کے شیریں چشموں کو زہریلا نہ کرنا چاہیے۔ آؤ ہم اپنے گھروں کو خوشی اور راحت کا منظر بنائیں اور اِن کا نام "دلکشا" رکھیں تاکہ یہ حقیقی معانی میں اسم بہ مسمّٰی ہو کر ہمارے بچوں کا دل لبھائے یہانتک کہ عالم شباب کو پہنچے۔ اور اپنے والدین کے گھر کو چھوڑنے کے بعد بھی بچے کہہ سکیں کہ "اے گھر میرے پیارے گھر۔ اور کوئی جگہ تجھ ایسی پیاری نہیں!"

(ہ) آخر میں ہم ماؤں سے مخاطب ہوتے ہیں اور اُن سے عرض کرتے ہیں کہ اے ماؤ! آپ کے ذمہ ایک ایسی اہم خدمت ہے جس کو آپ کے سوا اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ آپ کی زندگیوں کا

"مقصد انسانیت کو اخلاق اور پاکیزگی کی بلند چوٹیوں تک پہنچانا ہے۔ آپ اس خدمت کی بجا آوری کو اپنی خوش نصیبی اور اپنا فخر تصور کریں۔ ہم آپ سے فرداً فرداً بمنت وسماجت عرض کرتے ہیں کہ آپ ایک سچی عورت اور حقیقی ماں بنیں۔

آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ بچے کی بہترین تربیت صرف ماں ہی کر سکتی ہے۔ نیز یہ کہ نمونہ نصیحت سے بہتر ہے۔ ماں کا فرض ہے کہ اگر وہ چاہتی ہے کہ اس کے بچے خدا باپ کے فرزند بنیں تو پہلے وہ خود اس کا بچہ بنے جس طرح وہ ماں سے اپنی بچپن کی خوراک حاصل کرتے تھے اسی طرح وہ اس کے محبت بھرے دل سے روحانی جذبہ اور تحریک حاصل کریں آہ! کیسی مبارک اور خوش نصیب ہیں وہ مائیں جو اپنے بیٹوں کو نیک مرد اور اپنی بیٹیوں کو نیک عورتیں بننے میں اُن کی رہنمائی کرتی ہیں۔ پیدائش کی کتاب میں مرقوم ہے کہ "آدم کا فردوس اُس کا گھر ہے۔ اسکی نیک اولاد کا گھر ہی فردوس ہے۔"

پی۔ار۔بی۔ایس پریس انار کلی۔ لاہور میں چھپی اور
مسٹر ایف۔ڈی۔وارث سیکرٹری پنجاب
ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی۔لاہور نے شائع کی